اریب
پبلیکیشنز

زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم
چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

امیر خسرو (طوطی ہند)

(حیات، تعلیمات اور کلام)

از
ریاض جعفری

تلخیص و ترجمہ:
مسعود مفتی

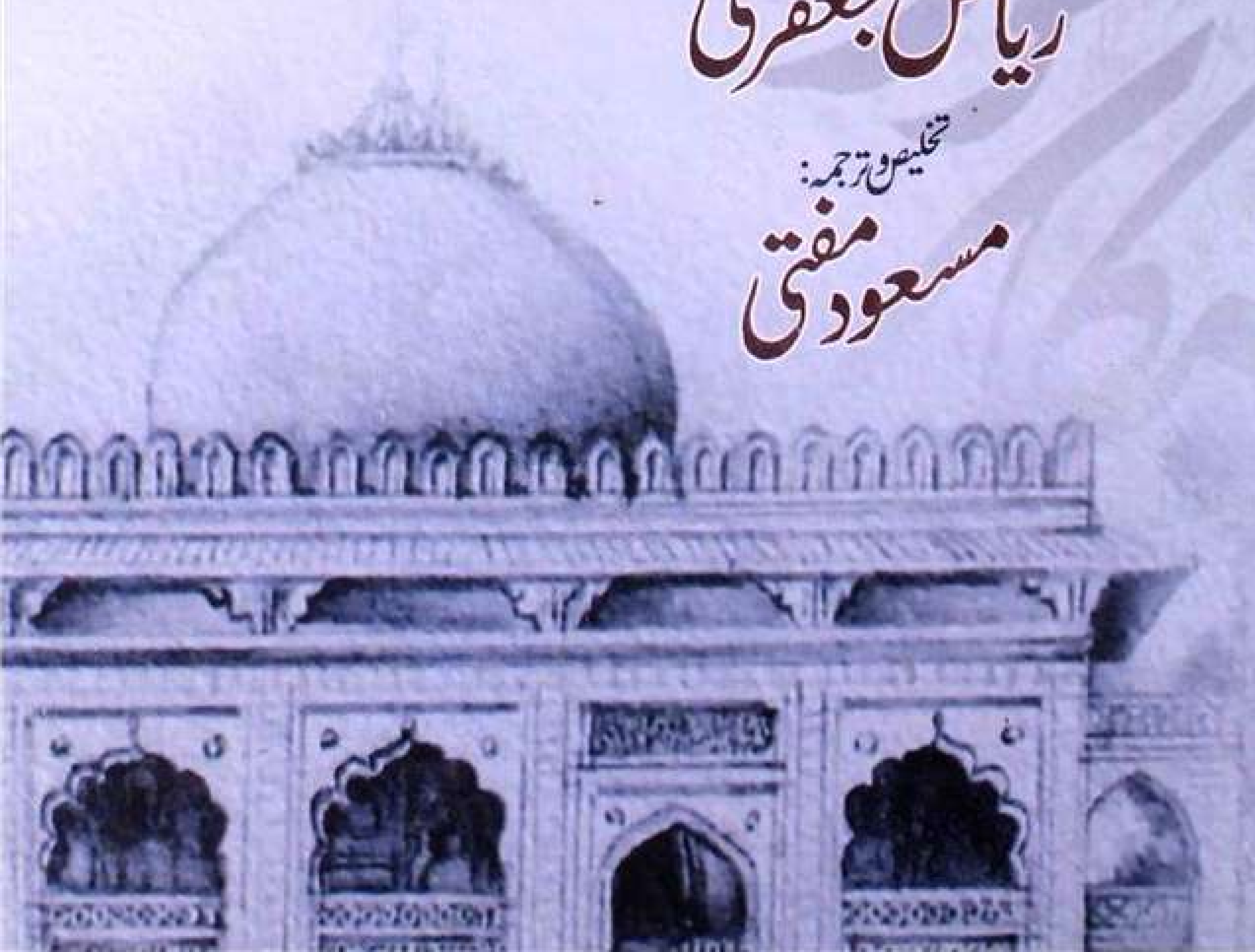

بسم الله الرحمن الرحيم

امیر خسرو (طوطی ہند)

KHUSRO THE CHARISMATIC
LIFE HISTORY AND WORKS OF

AMIR KHUSRO

"TOOTI-E-HIND"

امیر خسرو (طوطی ہند)

(حیات، تعلیمات اور کلام)

از

ریاض جعفری

تلخیص و ترجمہ

مسعود مفتی

اریب پبلیکیشنز
1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲

نام کتاب : امیر خسرو (طوطی ہند) حیات، تعلیمات اور کلام
مؤلف : ریاض جعفری
مترجم : مسعود مفتی
ناشر : اریب پبلیکیشنز
صفحات :
سن اشاعت : 2018
قیمت :

AMEER KHUSRU
(Toti-e-Hind) Hyat, Taleemat Aur Kalam
Riyaz Jafri
Translation: Masood Mufti

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲
فون: 23284740، 23282550، 43549461

GOVT. URDU LIBRARY
Acc.No. 38678
Date 12/1/2022
PATNA

انتساب!

میں اس کتاب کو اپنی پیاری بیوی شمیم جعفری سے منسوب کرتا ہوں...... اپنے حیران کن بچوں تبریز اور سنبل سے منسوب کرتا ہوں...... اور ان تمام لوگوں سے منسوب کرتا ہوں جو انسانیت پر یقین رکھتے ہیں...... محبت پر یقین رکھتے ہیں...... اور امنِ عالم پر یقین رکھتے ہیں۔

राजकीय उर्दू पुस्तकालय
گورنمنٹ اردو لائبریری
پٹنہ

فہرست

☆ تعارف مصنف 11
☆ مصنف کا اظہار تشکر 12
☆ تعارف-1 14
☆ تعارف-2 16
☆ ایک گراں قدر کاوش 18
☆ پیش لفظ 20
☆ نقطہء آغاز 23

باب نمبر1 27

❁ پیدائش ❁ حقیقی نام ❁ والدین ❁ ابتدائی تعلیم ❁ حکمرانوں کی تاریخ ❁ خاندان غلاماں ❁ نوجوان ترین شاعر ❁ دانش وری کا امتحان ❁ باپ اور دادا کی وفات

باب نمبر2 35

❁ ان کی خودمختار زندگی ❁ مقبولیت ❁ ان کے بہی خواہ:۔ چاجو خان (Chaju Khan)، بغرا خان (Bughra Khan) ❁ شاہی پارٹیاں ☆ شہزادہ محمد اور خسرو ملتان میں ❁ ان کی گرفتاری...... ☆ مغلوں سے بچاؤ ❁ معاشرتی اور معاشی صورت حال ❁ بلبن کی وفات ❁ بغرا خان اور کیکاباد (Kaikabad) میں لڑائی اور مصالحت ❁ خاندان غلاموں کا خاتمہ

باب نمبر3 46

❁ نئے حکمرانوں خلجیوں کا دور ❁ خسرو بطور منصب دار ❁ خسرو کا خوشگوار ترین دور...... جلال الدین خلجی اور اس کے بچوں کے ہمراہ...... ان کی مقبولیت اور شاعری اپنے نقطۂ عروج پر ❁ غداری

کے نتیجے میں جلال الدین کی موت ❁ نیا شہنشاہ علاؤالدین ❁ خسرو کی محاذ آرائی اور زیر عتاب آنے کی داستان ❁ محل سے اخراج ❁ عہدے اور مشاہرے سے محرومی ❁ خسرو بطور ایک عوامی آواز ❁ خسرو 12 ویں صدی کے ہندوستان، پاکستان کے برصغیر کے نیلسن منڈیلا کے طور پر ❁ علاؤالدین کی فتوحات ❁ معاشرتی اور معاشی ترقی ❁ نئے قوانین اور نظم ونسق ❁ خسرو کے کھلے عام مشاعرے ❁ نئی زبان کے لئے تجربے کا آغاز...... کیونکہ خسرو ایک عام آدمی بن چکے تھے ❁ علاؤالدین خلجی کی وفات ❁ شاعری میں خسرو کی برتری اور کئی ایک کتب کی تکمیل ❁ خسرو کا ''طوطی ہند'' بننا ❁ ملک کافور کی وفات ❁ مبارک شاہ خلجی کا دور حکومت اور خسرو کو سونے کا انعام...... ہاتھی کی وزن کے مساوی سونے کا انعام ❁ خلجی دور حکومت کا خاتمہ ❁ ریاست اور درویشوں کے درمیان خسرو بطور ایک پل

باب نمبر 4 70

❁ تغلق خاندان کا آغاز ❁ خسرو کی عزت واحترام اور مقبولیت ❁ خسرو کی شاعری تغلق نامہ اور شہر ❁ تغلق آباد ❁ شہزادہ جونا خان کی فتوحات اور حضرت نظام الدین اولیا کے ساتھ اس کی عقیدت ❁ شہنشاہ غیاث الدین کی حضرت نظام الدین اولیا کے لئے ناپسندیدگی...... اور حضرت نظام الدین کے لئے اس کا حکم کہ وہ دہلی چھوڑ دیں ❁ خسرو کی کوشش کہ وہ حکمرانوں اور اس برگزیدہ بندے کے درمیان ایک پل ہ کام سرانجام دیں ❁ دہلی کی تعریف میں خسرو کی شاعری ❁ دیوگڑھ اور تغلق آباد ❁ بطور ایک سپاہی شہنشاہ کے ہمراہ خسرو کے دورے ❁ شہنشاہ غیاث الدین کی وفات ❁ حضرت نظام الدین کی وفات ❁ امیر خسرو کی وفات ❁ خسرو حکمرانوں اور رعایا کے درمیان ایک پل ❁ خسرو بطور قومی تعمیر سرانجام دینے والے

باب نمبر 5 82

❁ حضرت نظام الدین اولیاؒ...... اللہ کے برگزیدہ بندے (صوفی بزرگ) اور امیر خسرو پر ان کے اثرات ❁ امیر خسرو کے بہی خواہ ❁ قوالی اور خسرو ❁ عام لوگوں میں ان کی مقبولیت اور ریاست کی تشویش

باب نمبر 6 89

❁ امیر خسرو بطور ایک موسیقار ❁ ان کی ستار اور طبلہ کی ایجادات ❁ ایک قوم کی تعمیر کے لئے موسیقی کے استعمال کی ان کی کوشش ❁ ایک ایشیائی ثقافت اور ایک ہندوستانی معاشرہ...... یعنی

ہندو اور مسلمان اکٹھے

باب نمبر 7 94

۞ نئی زبان اردو کی ایجاد کے سلسلے میں امیر خسرو کے تجربات ۞ امیر خسرو کی شہروں اور دیہاتوں میں چہل قدمی ۞ امیر خسرو نے مساوی مواقع کی بنیاد رکھی ۞ نسلی اور مذہبی مساوات مابعد آنے والے حکمرانوں کے لئے مثلاً مغل حکمران ۞ خسرو بطور شاعر اور ڈرامہ نویس

باب نمبر 8 106

۞ امیر خسرو بطور اردو زبان کے موجد اور برصغیر کے پہلے اردو کے شاعر ۞ خسرو بطور بابائے اردو ۞ ان کی پہیلیاں...... ان کی سخن سازی...... ان کی ذو معنی باتیں...... ان کا اسٹائل...... ان کے بند ۞ خسرو کی زندگی کے اہم واقعات

باب نمبر 9 116

۞ امیر خسرو کے آرٹ اور ادب کے کام ۞ ان کی کتب...... شاعری...... نثر نگاری...... ڈراموں...... کھیلوں اور ہم عصر ایشیائی ثقافت تخلیق کرنے کی ان کی کوششوں کا ایک جائزہ ۞ امیر خسرو کی کتب کی ایک مختصر فہرست

باب نمبر 10 148

۞ امیر خسرو کی فارسی شاعری کی چند مثالیں، اور ان کی نئی ایجاد کردہ زبان اردو کی شاعری کی چند مثالیں۔ وہ نظم جو 12ویں صدی کے برصغیر میں انسانی حقوق کی سب سے پہلی آواز بن گئی۔

☆ حوالہ جات 191

تعارفِ مصنف

جناب ریاض جعفری...... زیرِ نظر کتاب کے مصنف لندن کے ادبی اور سماجی حلقوں کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور (پاکستان) سے گریجوایشن کی تھی اور 1966ء سے لندن میں مقیم ہیں۔

انہوں نے فزکس اور ریاضی میں پوسٹ گریجوایشن بھی کر رکھی ہے اور محکمہ موسمیات کے میدان میں بھی خصوصی تربیت حاصل کر رکھی ہے۔ وہ سیلابوں کی روک تھام کے سلسلے میں سابق مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کی حکومت کے مشیر بھی رہ چکے ہیں۔

وہ مینجمنٹ کے میدان میں ایک تربیت یافتہ اکاؤنٹنٹ بھی ہیں۔ وہ کئی برس تک اسکول کے گورنر اور اسکول انسپکٹر بھی رہ چکے ہیں۔

وہ اردو زبان کے شاعر بھی ہیں اور 1990ء سے وہ امیر خسرو سوسائٹی (برطانیہ) کے بانی صدر بھی ہیں اور وہ برطانیہ میں اردو ادب اور امیر خسرو کی شاعری کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔

والتھم فورسٹ کے لندن بروگ مقامی کونسل کے قریبی تعاون کے ساتھ یہ امیر خسرو سوسائٹی مقامی اسکولوں اور کالجوں کے لیے پروگرام اور پراجیکٹ بھی سرانجام دیتی رہی ہے اور ان پروگراموں اور پراجیکٹوں کو مقامی تعلیمی اتھارٹی بطور انِ سروس ایجوکیشن اسکیم بھی اختیار کر چکی ہے۔ اس سوسائٹی کے بین الاقوامی سیمناروں اور مشاعروں کو ہمیشہ ٹیلی وژن سے ٹیلی کاسٹ کیا جاتا رہا ہے اور پریس بھی انہیں مناسب جگہ پر شائع کرتا رہا ہے۔

چار برس کی جامع تحقیق کے بعد انہوں نے زیرِ نظر کتاب تحریر کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے اردو شاعری کی کئی کتب تحریر کی ہیں اور ان کی کئی ایک کتب زیرِ طباعت بھی ہیں۔

◆ ◆

مصنف کا اظہارِ تشکر

زیرنظر کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں میلینیم کمیشن (MILLENNIUM COMMISSION) کے ایوارڈ کا خصوصی شکر گزار ہوں اور اس کے علاوہ اپنی بیوی شمیم جعفری کا بھی خصوصی شکر گزار ہوں کیونکہ اس کتاب کی تکمیل کے دوران انہوں نے انتہائی معاونتی کردار ادا کیا ہے۔

◆ ◆

میں درج ذیل افراد کی امداد کا بھی ازحد مشکور ہوں اور ان کی امداد اور تعاون کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔ ان کی امداد اور تعاون کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی۔

-1 مس ہیلن ٹری ڈوکس...... والتھم فورسٹ کے آرٹ ڈیپارٹمنٹ کی پرنسپل آفیسر ...... میں ان کی رہنمائی اور مالی امور وغیرہ کے معاملات میں معاونت کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

◆ ◆

-2 بیگم شمیم جعفری...... مالی اور انتظامی امور میں ان کی معاونت کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

◆ ◆

-3 مسٹر شاہد ماحولی...... قومی امیر خسرو سوسائٹی، ہندوستان کے جنرل سیکرٹری...... ضروری حوالہ جات مہیا کرنے کے علاوہ پرنٹنگ اور پروڈکشن کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

◆ ◆

-4 میں پی باڈی (PEA BODY) ٹرسٹ اور ان کے حیران کن اور خوش اخلاق

اسٹاف کا شکر گزار ہوں...... انہوں نے اس پراجیکٹ میں قابل قدر دست تعاون دراز کیا تھا۔

* * *

5- میں والتھم فورسٹ آرٹس کونسل کے بل پارکنسن اور مارٹن او۔ کونز کا شکر گزار ہوں۔ انہوں نے نہ صرف اس پراجیکٹ میں میری معاونت سرانجام دی بلکہ اس پراجیکٹ کو خراج تحسین بھی پیش کیا اور متعلق حوالہ جات بھی مہیا کیے۔

* * *

6- پروفیسر نجم الحسن ضمیر...... ماہر تعلیم...... اس کتاب کی تکمیل میں ان کی معاونت کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

* * *

تعارف

(1)

مجھے اس وقت از حد مسرت ہوئی جب ریاض جعفری نے زیرِ نظر کتاب اشاعت سے قبل مجھے پڑھنے کے لیے عطا کی۔

بطور ایک انگریز شاعر کبھی کبھار جب میری بات چیت ایشیائی شاعروں کے ساتھ ہوتی تھی تب وہ شاعر امیر خسرو کا بھی حوالہ دیتے تھے، لیکن میں ان کی زندگی اور ان کی شاعری اور دیگر کارناموں سے قطعاً ناآشنا تھا۔

اب مجھے ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ اب میں ان کی زندگی اور ان کے کارناموں کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہوں۔

جناب جعفری نے ایک پرکشش اور سیدھے سادے انداز میں زیرِ نظر کتاب کو تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں امیر خسرو کی بطور ایک شاعر ارتقا کی داستان کے علاوہ بطور ایک موسیقار اور بطور ایک مفکر بھی ان کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بہت زیادہ تحقیق سرانجام دی ہے۔

ریاض جعفری نے ایک مکمل انسان کا ایک مکمل نقشہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے امیر خسرو کے بطور ایک آرٹسٹ...... نئی زبان کے موجد...... نئے آلاتِ موسیقی کے موجد...... سماجی مصلح اور امن کے علمبردار مکمل احاطہ کیا ہے اور ان کے اپنے دور کے لوگوں اور بادشاہوں کے ساتھ مراسم کا بھی ذکر کیا ہے۔ امیر خسرو ایک روحانی اور مذہبی شخصیت تھے۔ وہ دنیا بھر میں محبتیں تقسیم کرنے والے تھے۔

وہ اس جذبے کے مالک تھے کہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل سرانجام دی جائے جو ایک انصاف پسند معاشرہ ہو...... قوتِ برداشت کا حامل معاشرہ ہو...... پیار محبت کرنے والا

معاشرہ ہو...... اور اس معاشرے کے تمام افراد مل جل کر پیار و محبت کے سائے تلے زندگی بسر کریں۔ امیر خسرو واپس آ جائیں، ہمیں آپ کی شدید ضرورت ہے۔

بل پارکنسن
سیکریٹری
(والتھم فورسٹ آرٹس کونسل)
15 اکتوبر 2002ء

* *

(2)

ہمارے دور میں انسانی معاشرہ بہت سی تبدیلیوں سے دو چار ہوا ہے۔ پرانا ورلڈ آرڈر اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ دنیا کے بہت سے حصول تک بہ آسانی اور جلد رسائی ممکن ہوئی ہے اور اس میدان میں ہوائی سفر کی بے بہا سہولت نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے اور لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک تک بہ آسانی سفر کرتے ہیں۔ روابطِ عالم میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ ذرائع ابلاغ نے بھی خوب ترقی کی ہے۔ انٹرنیٹ بھی باہمی روابط استوار کرنے کی ایک مایہ ناز تدبیر ہے اور اس تدبیر نے دنیا داروں کو آپس میں باہم روابط ہونے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے بے بہا مواقع فراہم کیے ہیں اور یہ سب کچھ ابتدائی انسانی معاشروں میں محض ایک خواب ہی تھا۔

ہمارے دور کا یہ ایک المیہ ہے کہ ہم نے دستیاب سہولیات سے خاطر خواہ استفادہ حاصل نہیں کیا ہے اور ہم اپنے انسانی کنبے کی ثقافتوں اور روایات کو بخوبی جاننے اور سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

ان حالات میں باہمی سمجھ بوجھ بڑھانے کی کاوش کا پرتپاک خیر مقدم کیا جانا چاہیے اور زیر نظر کتاب کے ذریعہ باہمی سمجھ بوجھ میں اضافے کی ایک گراں قدر کاوش سرانجام دی گئی ہے اور جناب جعفری کی زیر نظر کتاب کی صورت میں یہ کاوش قابل تحسین ہے۔ وہ اپنی فاؤنڈیشن کی وساطت سے ایسی کاوشیں سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ وہ بذات خود اس میدان کے ایک فعال اور ان تھک ورکر ہیں اور امیر خسرو سوسائٹی (برطانیہ) کے رہنما بھی ہیں۔ انہوں نے قرون وسطیٰ کے دور کی ایک اہم ترین مسلم ہندوستانی شخصیت کا ایک کارآمد...... مفید...... اور بہترین جائزہ پیش کیا ہے۔

ان کی کتاب وسیع تر تحقیق پر مبنی ہے لیکن انہوں نے ایسی تحریر پیش کی ہے جو نہ صرف سیدھی سادی ہے بلکہ ہر کوئی اسے سمجھ سکتا ہے اور اس تک رسائی حاصل کرنا بالکل بھی

مشکل نہیں ہے۔

اس کتاب میں عظیم امیر خسرو کی زندگی اور ان کے کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان کو "طوطی ہند" یا "ہندوستان کا طوطا" (PARROT OF INDIA) کا خطاب دیا گیا تھا۔

امیر خسرو ان شخصیات میں سے ایک ہیں جو جنوبی ایشیاء کی مابعد آنے والی نسلوں کے لیے ایک روایت بن چکی ہیں اور ان شخصیات کو دیگر دنیا بالخصوص برطانیہ میں متعارف کروانے کی اہم ضرورت ہے۔

جناب جعفری نے امیر خسرو کی کامیابیوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ انہوں نے ان کی زندگی کا احاطہ کرتے ہوئے آغاز کیا ہے جس میں ان کے ایک خصوصی کردار کی جھلک پیش کی گئی ہے جس کے تحت وہ نہ صرف اس دور کے سلطانوں کی مشاورت سرانجام دیتے تھے بلکہ کبھی کبھار ظالم سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ عظیم صوفی بزرگ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی خصوصی محبت کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں امیر خسرو کی فارسی زبان کی شاعری کے علاوہ ہندوستانی زبانون میں شاعری کا بھی تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی پیش کش کے ضمن میں جناب جعفری مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ایک عظیم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور شاندار انداز میں اسے پایہء تکمیل تک پہنچایا ہے۔

پروفیسر کرسٹوفر شیکل
ڈیپارٹمنٹ آف لینگویج اینڈ کلچرز آف
ساؤتھ ایشیاء (جنوبی ایشیا)
(یونیورسٹی آف لندن)

* * *

ایک گراں قدر کاوش

امیر خسرو (1253ء تا 1325ء) ہندوستان کے ایک قابل ذکر اور نامور شاعر تھے ۔ وہ فارسی زبان اور ہنداوی زبان دونوں میں شاعری کرتے تھے۔

ان کی وفات کے چھ صدیوں بعد خواجہ الطاف حسین حالی...... یادگار غالب کے لکھاری...... اس تحریر میں انہوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ قرون وسطیٰ کے ہندوستان کے تین قابل ذکر شاعر تھے۔ ان میں امیر خسرو...... فیضی (اکبر اعظم کے دربار کا شاعر)...... اور مرزا غالب شامل ہیں۔ (آخری کلاسیکل اور ہندوستانی شاعروں میں جدیدیت کے میدان میں اولین شاعر)۔

امیر خسرو نے پٹیالی۔ ضلع ایٹا (ETA)۔ اتر پردیش میں جنم لیا تھا۔ وہ آٹھ برس کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ دہلی میں ان کے نانا نے ان کی پرورش کے فرائض سرانجام دیے تھے...... وہ دربارِ دہلی کے شرفاء میں سے ایک تھے۔

امیر خسرو نے سات مختلف بادشاہوں کے تحت خدمات سرانجام دی تھیں...... خلجی بادشاہ...... تغلق بادشاہ...... اس کے علاوہ مختلف شرفاء اور اعلیٰ عہدیداروں کی خدمات بھی سرانجام دی تھیں۔ انہوں نے افواج کے ہمراہ بنگال اور مغربی پنجاب کے دوران...... افغانستان اور غزنی کے دوران طویل فاصلوں کے سفر بھی طے کیے تھے۔ وہ دربار کے ساتھ منسلک شاعر تھے۔ اس کے علاوہ وہ:-

ایک سپاہی تھے۔
ایک جنگجو تھے۔
ایک صوفی تھے۔
ایک موسیقار تھے۔

وہ عام لوگوں میں عام لوگوں کی طرح گھل مل کر رہتے تھے۔

انہوں نے کئی ایک جلدیں پیش کی تھیں۔ ان میں سات عدد مثنوی اور سات عدد دیوان بھی شامل تھے۔

وہ عظیم صوفی بزرگ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور اس صوفی بزرگ کی وفات کے بعد چند ماہ کے اندر اندر امیر خسرو بھی 1325ء میں وفات پا گئے تھے۔

امیر خسرو فارسی کے ایک عظیم شاعر تھے اور انہوں نے وسطی ایشیاء کے فارسی بولنے والے ممالک میں بے حد شہرت اور مقبولیت پائی تھی۔ اس کے علاوہ ان کو ہنداوی کا بھی پہلا شاعر تصور کیا جاتا ہے...... (سابق ہندی اور اردو)۔ ان کی ہنداوی دھنیں آج بھی جنوبی ایشیاء کے لاکھوں باشندوں کی من پسند دھنیں ہیں۔

امیر خسرو ہندوستان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اپنی مشہور زمانہ مثنوی میں انہوں نے ایک مکمل باب تحریر کیا ہے جس میں ہندوستان کی خوبصورتی کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کے لوگوں کی دانش وری کی تعریف کی گئی ہے...... اس کی روحانی میراث کی تعریف کی گئی ہے...... اس کے مذاہب بیان کیے گئے ہیں...... اس کی رسوم، عبادات اور روایات پر روشنی ڈالی گئی ہے...... اس کے تہواروں کا ذکر کیا گیا ہے...... اس کی آب و ہوا...... دریا...... پہاڑ وغیرہ زیر بحث لائے گئے ہیں۔

جناب ریاض جعفری نے ایک گراں قدر کاوش سرانجام دی ہے۔ وہ برطانیہ کی امیر خسرو سوسائٹی کے روح رواں ہیں۔ انہوں نے امیر خسرو کی زندگی کی تاریخ اور ان کے کارناموں کے بارے میں ایک جامع کتاب تحریر کی ہے۔ جناب ریاض ایک قابل تعریف اور محنتی فرد ہیں۔ انہیں ہندوستانی ادب اور ہندوستانی ثقافت کے ساتھ لگاؤ ہے۔

اس کتاب کی اشاعت پر میں انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

گوپی چند نارنگ
نیو دہلی
30 مئی 2003ء

پیش لفظ

اس کتاب کو سادہ اور آسان زبان میں تحریر کیا گیا ہے تاکہ ہر ایک قاری اس کا بخوبی مطالعہ کر سکے...... اسے بخوبی سمجھ سکے...... اور اس کے مواد سے بخوبی استفادہ حاصل کر سکے۔

اس کتاب کو تحریر کرنے کا بڑا مقصد تعلیمی مقصد ہے...... تعلیمی مقصد کی تکمیل ہے اور اس کے علاوہ ان افراد کے علم میں اضافے کا مقصد بھی پیش نظر ہے جنہوں نے امیر خسرو کا نام سن رکھا ہے۔ لیکن وہ ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ انہیں محض نام کی حد تک جانتے ہیں۔

برطانیہ میں ہماری زیادہ تر ایشیائی برادری اور دنیا بھر میں ہماری یہی برادری اردو زبان بولتی ہے، لیکن وہ نہیں جانتے کہ یہ زبان کہاں سے آئی تھی...... اور وہ لوگ جو ہندوستانی موسیقی سننا پسند کرتے ہیں اور اس موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں بالخصوص ”قوالی“...... یا وہ لوگ جو طبلہ سننا یا طبلہ بجانا پسند کرتے ہیں...... اور ستار بجانا اور ستار سننا پسند کرتے ہیں...... لیکن ان کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ ان آلاتِ موسیقی کا موجد کون تھا...... یا ”سر“ اور ”تال“ کیسے تخلیق کی گئی تھی...... یا کس نے شاعری اور مشاعروں (شاعری پڑھنا) کا پہلے پہل آغاز کیا تھا...... یا کب اور کیسے ہندوستانی برصغیر میں اس کا آغاز ہوا تھا...... یا کس کی شاعری اور اسٹائل جدید ہندوستانی اور پاکستانی شاعروں کے لیے ایک بنیاد ثابت ہوا تھا اور اس نے بہت سے نامور اور دنیا بھر میں جانے اور پہچانے جانے والے شاعروں مثلاً اقبال...... غالب...... اور فیض کو جنم دیا تھا۔

میں نے ان تمام تر سوالات کی تحقیق سرانجام دی ہے، اور اس قسم کے سوالات کے جوابات تاریخی حقائق اور ثبوت کے ساتھ پیش کیے ہیں، اور مجھے یقین کامل ہے کہ زیر نظر کتاب کا ہر ایک قاری علم حاصل کرے گا...... معلومات حاصل کرے گا...... اور بصیرت حاصل

کرے گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کی بھی معاونت سرانجام دے گی جو ''ایک قوم برطانیہ'' کو فروغ دے رہے ہیں۔ میں یہ بیان کیے بنا آگے نہیں بڑھ سکتا کہ اگر کوئی محبت پر یقین رکھتا ہے...... امن پر یقین رکھتا ہے...... ہم آہنگی پر یقین رکھتا ہے۔ یا اگر کوئی عدم تشدد کی بنیاد پر انسانی اقدار کو فروغ دینے کا متمنی ہے...... تب ایسے فرد کو اس بصیرت...... حکمت عملی...... اور عہد کا حامل ہونا چاہیے جو یہ کتاب پیش کرے گی۔ یہ کتاب قاری کے اندر اس دلچسپی کو تخلیق کرے گی کہ وہ امیر خسرو کے بارے میں زیادہ سے زیادہ آگاہی اور علم حاصل کرے...... ایک ایسا فلسفی شاعر جو ایک روایت بن چکا ہے۔ وہ کٹر مسلمان تھے...... اس وقت کے طاقتور اور اثر و رسوخ کے حامل وزیر اعظم کے نواسے تھے...... وہ عظیم صوفی بزرگ کے مرید تھے...... لیکن ان سب باتوں کے باوجود بھی وہ ہندوؤں...... عیسائیوں اور بدھ مت کے پیروکاروں سے محبت کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خسرو کا طرز زندگی ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے لیے ایک مثال بن گیا ہے جس کی حکومت پانچ صد برس سے زائد عرصے تک برقرار رہی۔

اس کتاب کو تحریر کرنے کی ضرورت ایک عوامی مطالبہ تھا اور یہ مطالبہ اس وقت واضح ہوا اور اس مطالبے میں اس وقت شدت آئی جبکہ گذشتہ عشرے کے دوران ہم نے شاعرانہ اور ادبی کارگزاریاں اور سرگرمیاں سرانجام دیں اور اس قسم کی تقریبات کا انعقاد کیا۔

امیر خسرو سوسائٹی (برطانیہ) کا بانی اور صدر ہونے کی حیثیت میں یہ میری اولین ذمہ داری تھی کہ میں امیر خسرو کے آرٹ کے کام اور ادبی کام کو فروغ دوں تا کہ برطانوی معاشرے کو بھی ان امور کے بارے میں علم ہو سکے اور ہم نے شاعری کے مشاعرے اور سیمینار منعقد کرتے ہوئے مقامی...... قومی...... اور بین الاقوامی تعصب کے خاتمے کی بھی گراں قدر کوشش سرانجام دی۔

ہمارے تعلیمی پروگراموں میں پرائمری۔ جونیئر اور سیکنڈری اسکولز اور انٹر کالج بھی شامل ہیں۔ ہم نے خواتین اور معمر شاعروں کے لیے بھی خدمات سرانجام دیں اور ماہرین تعلیم کی بھی خدمات سرانجام دیں اور یہ سب کچھ ہماری تعلیم بالغاں کا حصہ تھا۔ یہ تمام تقریبات ہماری مقامی تعلیمی اتھارٹی نے منعقد کروائی تھیں۔

ہمارے قومی اور بین الاقوامی مشاعروں اور سیمیناروں میں غیر ملکی وفود بھی شرکت

کرتے ہیں۔ ان کا تعلق ہندوستان...... پاکستان...... ناروے...... ڈنمارک...... جرمنی...... ترکی...... کینیا...... امریکہ اور کینیڈا سے ہوتا ہے اور ان تقریبات کو براہ راست ٹیلی وژن پر پیش کیا گیا تھا۔ (اسکائی...... کیبل...... اور ایشیائی چینلز) اور اس کے علاوہ قومی اور بین الاقوامی پریس نے بھی ان خبروں کو شائع کیا تھا اور یہ خبریں دنیا کے کونے کونے میں پہنچی تھیں۔

اس مقبولیت کی وجہ سے تحقیق کا عنصر منظرِ عام پر آیا اور زیرِ نظر کتاب تحریر کرنے کی تحریک مجھے میسر آئی۔

◆ ◆

نقطۂ آغاز

اس کتاب کو تحریر کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس ہیرو کے نام اور کام کو زندہ کیا جا سکے جسے لوگ محو کر چکے ہیں۔ وہ ہیرو 12ویں صدی کے ہندوستانی برصغیر کی ایک روایت تھا۔ وہ ایک درویش تھا...... ایک فلسفی تھا...... ایک شاعر تھا...... ایک مصنف تھا...... ایک تاریخ دان تھا...... ایک ماہر تعلیم تھا...... ایک موجد تھا...... ایک موسیقار تھا...... شاہی مشیر تھا...... ایک گلوکار تھا...... ایک سپاہی تھا اور انسانی حقوق کا علمبردار تھا۔ یہ امیر خسرو تھا...... اور اس کے بارے میں آج کل دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے اور اس میں لندن بھی شامل ہے بالخصوص تحقیق کے لیے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لیے...... لیکن عام سطح پر بمشکل ہی کوئی فرد ان کے بارے میں جانتا ہے۔

کوئی بھی شخص اگر وہ تعصب کا مظاہرہ نہ کرے تو وہ ولیم شیکسپیئر...... چارلس ڈکنز...... یا ورڈ ورتھ کے ادبی اقدار کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور کوئی بھی شخص ڈاکٹر مارٹن لتھر کنگ اور نیلسن منڈیلا کی قربانیوں کو نہیں جھٹلا سکتا جنہوں نے اپنی تمام تر زندگیاں نسلی تعصب کے خلاف جہاد کرنے میں بسر کر دی ہیں...... لیکن تاریخ بآواز بلند بیان کرتی ہے اور ثبوت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ امیر خسرو درج بالا عظیم ہستیوں سے کسی بھی لحاظ سے کم نہ تھے بلکہ کئی ایک لحاظ سے ان سے برتر تھے۔ درحقیقت خسرو ایک ایسی ہستی تھے جن میں تمام خوبیاں ایک ساتھ پائی جاتی تھیں اور انہوں نے کوئی سیاسی جماعت تخلیق کیے بغیر یا احتجاجی جلسے اور جلوس سرانجام دیے بغیر محض اپنے زور قلم...... شاعری...... اور موسیقی کے ذریعے قابل ذکر اور نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔

لوگ ان کی موسیقی سے محبت کرتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں...... بالخصوص

قوالی وغیرہ...... اور اردو ادب میں ان کی غزل...... شاعری کا شاہکار تصور کی جاتی ہے۔

میں پورے وثوق کے ساتھ زیر نظر کتاب میں یہ اعلان کرسکتا ہوں کہ:۔

☆ امیر خسرو انسانی حقوق کی پہلی آواز تھے...... وہ 12ویں صدی کے ہندوستانی برصغیر کی انسانی حقوق کی اولین آواز تھے۔ انہوں نے نسلی اور مذہبی امتیاز کے خلاف آواز بلند کی اور اپنے شاہی درباروں کے ظالم بادشاہوں کے سامنے یہ آواز بلند کی اور اپنی شاعری کے ذریعے بھی اس آواز کو بلند کیا...... اور اس امر کی پاداش میں ان کو سزائے موت کا حکم بھی سنایا گیا لیکن اپنے نانا کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ان کی جان بخشی ہوئی جو کہ عرصہ تک ایک عظیم وزیراعظم رہے تھے۔

☆ خسرو پہلے اردو (ہندوی) شاعر تھے۔ وہ ہندوستان۔ پاکستان برصغیر کے پہلے اردو (ہندوی) شاعر تھے اور یہ زبان بھی انہوں نے بذات خود ایجاد کی تھی۔

☆ خسرو نے گفت وشنید کا ایک عام ذریعہ یا تدبیر دریافت کی تاکہ مختلف زبانوں کے حامل لوگ آپس میں باہم روابط ہوسکیں۔ انہوں نے فارسی...... ترکی...... عربی...... اور مقامی زبان سنسکرت کے چند حروف کی آمیزش سے ایک نئی زبان تخلیق کی جسے ہندوی کا نام دیا گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ زبان اس وقت کی سرکاری فارسی زبان اور اس کی گرائمر کی بنیاد پر جدید بین الاقوامی اردو زبان میں ڈھل گئی اور اس وقت خسرو نے ایک بہت بڑا ایشیائی معاشرہ تشکیل دیا۔

☆ خسرو پہلے شاعر تھے جنہوں نے مشاعروں (شاعری پڑھنا اور شاعری کے سیمینار منعقد کروانا) کا آغاز کیا تھا اور یہ مشاعرے کھلے عام ہوتے تھے اور عام لوگوں کو اس میں شرکت کی اجازت ہوتی تھی...... کیونکہ خسرو سے قبل اس قسم کی شاعری کی محفلیں شاہی درباروں میں منعقد ہوتی تھیں اور محض شاہی خاندان کے لیے مخصوص ہوتی تھیں اور اس دور میں ٹی وی...... ریڈیو...... یا ڈی وی ڈی وغیرہ کا نام بھی کسی نے نہ سنا تھا۔ لہٰذا وہ اس قسم کی تفریح سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے تھے۔

☆ ہندوستان کے بہت سے حکمرانوں نے خسرو کے ادب کو درسی کتاب کے طور پر اپنایا تھا بالخصوص مغل حکمرانوں نے ایسا کیا تھا اور ان کی حکمرانی پانچ صد سے زائد برس تک قائم رہی تھی۔

☆ خسرو نے اپنی شاعری اور اپنے کردار کے ذریعے مساوات کے اصولوں کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ عام لوگوں میں عام لوگوں کی مانند تھے لیکن شاہی درباروں میں وہ امیرانہ شاہی حیثیت کے حامل تھے۔

☆ خسرو نے شاعری اور نثر نگاری کی 99 کتب تحریر کی تھیں جو کہ زیادہ تر فارسی زبان میں تھیں (اس وقت کی سرکاری زبان فارسی تھی) لیکن سیاسی اور تاریخی شکست و ریخت کی وجہ سے ان کتب کی دستیابی ممکن نہیں ہے۔

☆ ان کی زیادہ تر کتب شاہی خاندانوں...... ان کے درباروں...... ان کی جنگوں...... ان کی غداریوں...... ان کے رومانس...... ان کے روحانی نظریات...... اور زندگی کے دیگر پہلوؤں کی عکاسی کرتی تھیں...... اور ان کے اس عمل درآمد نے انہیں خصوصی شہرت اور پذیرائی بخشی تھی۔ ان کی چھوٹی سی کتاب میں بھی تقریباً پانچ ہزار مصرعے تھے۔

☆ خسرو کی شاعری ہندی/اردو کی بے مثل شاعری ہے اور اس قسم کی شاعری کہنے کی کسی دوسرے شاعر نے کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس قسم کی شاعری تحریر کرنے کی کسی دوسرے شاعر نے کوشش سرانجام دی ہے اور یہ شاعری روزمرہ زندگی کے فلسفے سے بھری پڑی ہے۔

☆ اپنی شاعری کی مٹھاس کی وجہ سے...... امیر خسرو کو ایران کے فلسفی شاعر سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے ''طوطیِ ہند'' کے خطاب سے نوازا تھا...... وہ خسرو کو ''طوطیِ ہند'' کے نام سے پکارتے تھے۔ (ہندوستان کا طوطا)

☆ خسرو نے ''سُر'' اور ''تال'' کی تخلیق سرانجام دی۔ انہوں نے ''ستار'' اور ''طبلہ'' ایجاد کرتے ہوئے یہ تخلیق سرانجام دی...... یہ دونوں (ستار...... طبلہ) ہندوستان کی موسیقی کے اہم آلات میں سے ہیں اور ان کی بنیاد پر انہوں نے تمام تر ہندوستانی موسیقی کی درجہ بندی سرانجام دی اور ان کی عدم موجودگی میں ہندوستان اور پاکستان کی فلم انڈسٹری اور ان کی فلمیں خاموش فلمیں ہوتیں۔ کمیونٹی کے تمام تر حصوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی خسرو کی یہ ایک اور کاوش تھی اور ایشیاء کے ہم عصر کلچر کی تخلیق کی بھی ایک اور کاوش تھی۔ ہندوؤں...... مسلمانوں......

عیسائیوں...... اور بدھ مت کے پیروکاروں کو باہم اکٹھا کرنے کی کیا خوب تدبیر تھی۔

☆ لوگ خسرو کو بابائے اردو (اردو زبان کا باپ) کہتے ہیں...... کچھ لوگ انہیں ہندوستانی موسیقی کا بانی کہتے ہیں، لیکن میں انہیں ہم عصر ایشیائی کلچر (ثقافت) کا بانی کہتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے قلم...... شاعری...... اور موسیقی کے زور پر اپنے ارد گرد کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ خسرو 12 ویں صدی کے ہندوستان۔ پاکستان برصغیر کے نیلسن منڈیلا تھے اور اگر وہ آج کی دنیا میں زندہ ہوتے...... یقیناً وہ بہت سے نوبل انعام حاصل کر چکے ہوتے۔

* * *

باب نمبر 1

☆ پیدائش
☆ حقیقی نام
☆ والدین
☆ ابتدائی تعلیم
☆ حکمرانوں کی تاریخ
☆ خاندان غلاماں
☆ نوجوان ترین شاعر
☆ دانش وری کا امتحان
☆ باپ اور دادا کی وفات

◆ ◆

امیر خسرو کا حقیقی نام عبدالحسن یا یمین الدین خسرو تھا...... جو کہ مختصر انداز اختیار کرتا ہوا امیر خسرو رہ گیا تھا۔

خسرو نے مارچ 1253ء میں ایک قصبے میں جنم لیا تھا جو مومن پور کہلاتا تھا۔ کچھ کتب میں اسے مومن آباد کہا گیا ہے، لیکن آج کل یہ پٹیالی کہلاتا ہے جو اتر پردیش ہندوستان میں دہلی کے نزدیک واقع ۔ ہے۔

امیر خسرو کی پیدائش کے وقت ہندوستان پر شہنشاہ نصیرالدین کی حکومت قائم تھی...... لیکن خسرو نے نصیرالدین کے دور حکومت کے بعد مقبولیت حاصل کی اور ان کی خصوصیات نصیرالدین کی حکومت کے اختتام کے بعد اجاگر ہوئیں...... انہوں نے غیاث الدین بلبن کے دور میں مقبولیت حاصل کی اور اسی دور میں ان کی خصوصیات منظر عام پر آئیں۔

غیاث الدین بلبن محض تلوار کا ہی دھنی نہ تھا بلکہ ایک بہت اچھا منتظم بھی تھا۔ وہ اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں لگا رہتا تھا اور اس کی سرحدوں کو مضبوط بنانے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔

اگرچہ وہ ایک ان پڑھ حکمران تھا لیکن اس کے گرد بڑے بڑے مفکرین...... ادبی...... شخصیات...... اور شاعروں کا ہجوم رہتا تھا۔ وہ شاعری کے ذریعے اپنی تعریف پسند کرتا تھا...... وہ نثر نگاری کے ذریعے بھی اپنی تعریف پسند کرتا تھا اور ایسے شاعروں اور مفکرین کو گراں قدر تحائف سے نوازتا تھا اور ان کی مالی امداد بھی سرانجام دیتا تھا...... ایسے شاعر جو اس کے شاہی دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

GOVT. URDU LIBRARY, PATNA

امیر خسرو کے والد کا نام امیر سیف الدین تھا جو ایک ترک تھے۔ وہ بہت بہادر تھے اور تلوار کے دھنی تھے اور ایک عظیم جنگجو تھے۔ امیر خسرو کی والدہ بہت زیادہ امیر تھی اور دولت مند تھی۔ وہ ایک طاقت ور اور با اثر وزیر اعظم کی بیٹی تھی۔ ان کے والد کا نام عماد الملک تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے دوران آٹھ مختلف شہنشاہوں کی خدمات سرانجام دی تھیں۔ ان کی والدہ کا نام دولت ناز تھا۔ وہ اپنے وقت کی حقیقی ملکہ حسن تھی۔

امیر خسرو کے دو بھائی تھے، لیکن ان کی ہمشیرہ کے بارے میں کوئی ثبوت میسر نہیں ہے۔ ان کے بڑے بھائی کا نام عزیز الدین علی شاہ تھا اور ان کے چھوٹے بھائی کا نام حسام الدین قتلف تھا۔

درج بالا حکمرانوں...... غیاث الدین بلبن اور اس سے قبل نصیر الدین اور سلطان شمش الدین التمش اور اس کی دختر رضیہ سلطانہ...... یہ تمام قطب الدین ایبک کی کمان میں ہندوستان آئے تھے۔ تاریخ انہیں خاندان غلامان کے نام سے یاد کرتی ہے یعنی غلام...... کیونکہ سلطنت عثمانیہ نے انہیں ہندوستان بھیجا تھا اور اس کی ایک یا دوسری وجہ تھی لیکن یہاں کی وسیع تر زراعت...... وسائل...... سونا...... خوبصورت باغات...... حیران کن پھل...... صحت افزا آب و ہوا اور سادہ فطرت لوگ...... اور ان کا شریفانہ طرز زندگی...... یہ وہ لوازمات تھے جنہوں نے انہیں ہندوستان میں قیام کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ واپس جانا نہیں چاہتے تھے۔

تب ایک خوفناک جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ جنگ کے یہ شعلے مشرق وسطی میں بھڑکے تھے اور اس جنگ کی وجہ منگول بغاوت تھی جس کی قیادت چنگیز خان اور اس کا بیٹا ہلاکو خان سرانجام دے رہا تھا۔ ان کے راستے میں جو بھی شے آئی...... جو بھی رکاوٹ آئی...... جو مزاحمت بھی آئی...... انہوں نے اسے کچل کر رکھ دیا تھا۔ منگولیا کی سرحدوں تا عراق اور ایران بشمول موجود افغانستان...... تاجکستان...... ترکمانستان...... ازبکستان...... آذربائیجان اور رومانیہ ان کا یہی وطیرہ رہا۔ تمام تر اسلامی سلطنت کو انہوں نے کچل کر رکھ دیا۔ اس میں بغداد اور بلخ بھی شامل تھے...... دو انتہائی قدیم عظیم ثقافتی مراکز...... یہ دونوں مقامات اس دور کے عظیم اور قدیم ثقافتی مراکز تھے۔ ایران کے فلسفی شاعر اور دنیا کے مشہور و معروف مفکرین حافظ اور سعدی نے اپنی شاعری میں ثقافت اور انسانیت کی بربادی پر بہت زیادہ آنسو بہائے تھے۔

ہر اس انسان کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کا وقت آن پہنچا تھا جو اچھی فطرت کا

حائل تھا تاکہ وہ اپنی زندگی بچانے کے لیے راہ فرار اختیار کرے اور یہی وجہ تھی کہ امیر خسرو کے والد سیف الدین نے کسی نہ کسی طرح ہندوستان پہنچنے کا بندوبست کیا۔ وہ دہلی میں آباد ہوئے اور سابقہ روابط اور اثر ورسوخ کی بنا پر سلطان شمش الدین التمش کی فوج میں ملازمت اختیار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اپنی بہادری کی وجہ سے جلد ہی اپنا مقام بنا لیا...... انہوں نے جنگوں میں فتوحات حاصل کرنا شروع کیں اور جلد ہی شمش الدین التمش کی فوج کے کمانڈر بن گئے۔ وہ شہنشاہ شمش الدین کے اس قدر منظور نظر بن چکے تھے کہ انہیں پٹیالہ کی تمام تر ریاست عطا کی گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اپنے آپ کو سیف الدین شمسی کہلوانا شروع کر دیا۔ شہنشاہ شمش الدین التمش ان کی بہت زیادہ تعریف کرتا تھا اور ان کی عزت واحترام سرانجام دیتا تھا اور ان کو بھاری تنخواہ ادا کی جاتی تھی اور شاہی دربار میں ان کو ایک خاص مقام اور مرتبہ حاصل تھا۔

سیف الدین کی نیک فطرت اور عظیم شخصیت انہیں وزیر اعظم عماد الملک کے قریب ترین لے آئی تھی اور انہوں نے انہیں اپنا داماد بنا لیا تھا اور وزیر اعظم کی دختر دولت ناز کی شادی سیف الدین سے ہوئی تھی۔

امیر خسرو اپنے ان پڑھ باپ کی نیک فطرت کی وجہ سے ہمیشہ ان کی تعریف کرتے تھے...... انسانی اقدار کی ان کے دل میں جو قدر و منزلت تھی اس کی وجہ سے اور ان کی بہادری کی وجہ سے بھی خسرو ان کی تعریف کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب امیر خسرو نے جنم لیا تھا اس وقت ان کے باپ (کچھ لوگوں کے بقول ان کے دادا) نے انہیں ایک چھوٹی سی شال میں لپیٹا تھا اور ان کو اللہ کے برگزیدہ بندے غالباً حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ کے پاس لے گئے تھے انہوں نے اس پیارے سے بچے کی جانب دیکھا اور کہا تھا کہ:۔

> "آپ ایک ایسے بچے کو میرے پاس لائے ہیں جو یقیناً خاقانی سے
> چندفٹ بلند ہوگا...... ایران/خراسان کا دانش ورترین درویش۔"

اگرچہ امیر خسرو کے والدین تعلیم یافتہ نہ تھے...... لیکن وہ اپنے بچوں کی تعلیم میں از حد دلچسپی رکھتے تھے۔ لہٰذا جب خسرو نے کسی قدر ہوش سنبھالی اور کسی قدر بڑے ہوئے...... ان کے والد انہیں اتالیق کے پاس لے گئے تاکہ وہ انہیں لکھنا اور پڑھنا سکھا دے۔

اگرچہ خواجہ سعد الدین خسرو کے اولین اتالیق تھے...... لیکن بقول خسرو شاعری ایک خداداد عطیہ تھی جو ان کی پیدائش کے وقت ہی انہیں عطا کیا گیا تھا۔

خسرو اپنی کتاب تحفۃ السوگہار (Tohfat-ul-Soghar) میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے اتالیق سعد انہیں اپنے ایک دوست کے پاس لے گئے تھے۔ وہ دوست ایک جیلر تھا اس کا نام خواجہ رسیل تھا۔ وہ نظم و نسق کے بے حد پابند تھے۔ وہ ایک قیدی سے ملے جس کا نام خواجہ عزیز الدین تھا۔ تاریخ میں یہ بیان نہیں کیا کہ وہ قیدی کیوں بنے تھے لیکن تاریخ یہ ضرور بیان کرتی ہے کہ وہ ایک جانے پہچانے اور قابل احترام مفکر تھے جو اپنی کوٹھری میں ایک کتاب کا مطالعہ سرانجام دے رہے تھے۔

خواجہ سعد نے ان کے ساتھ سلام دعا لینے کے بعد خسرو کا ان سے تعارف اپنے شاگرد کے طور پر کروایا اور انہیں بتایا کہ خسرو میٹھی اور خوبصورت آواز کے ساتھ شاعری گاتا ہے اور وہ نہ صرف شاعری کو سمجھتا ہے بلکہ اپنی شاعری بھی خود ہی ترتیب دیتا ہے۔ یہ سننے کے بعد خواجہ عزیز الدین نے خسرو کو وہ کتاب دی جس کا وہ بذات خود مطالعہ کر رہے تھے اور کہا کہ:۔

"نوجوان آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کس قدر قابل ہیں؟"

خسرو نے اس قدر شاندار آواز کے ساتھ گلوکاری کی کہ خواجہ عزیز الدین حیران کن حد تک خوش ہوئے اور انہوں نے خسرو سے کہا کہ:۔

"آیئے ہم آپ کا ایک اور امتحان لیتے ہیں؟"

خسرو نے قابل احترام خوشی کے ساتھ اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

خواجہ عزیز الدین نے چار الفاظ دیئے:۔

"مو" (MOO)...... (معانی "بال")

"بائزہ" (BAIZA)...... (معانی "ایک خوبصورت انڈا")

"تیر" (TEER)...... (معانی "تیر")

"خرپازہ" (KHARPAZA)...... (معانی "خربوزہ")

اور انہوں نے خسرو سے کہا کہ کچھ ایسے مصرعے تخلیق کرے جن میں ان الفاظ کا بامعنی استعمال ہو۔

چند منٹ توقف اختیار کرنے کے بعد خسرو نے فارسی میں اپنی شاعری کے دو

مصرعے کہے جن کا مطلب کچھ یوں تھا:۔

> ''میری محبوبہ لیڈی کے خوبصورت چمکدار بالوں میں خوش کن خوشبو کے پیارے انڈے ہیں...... لیکن اس کا دل ایک تیر کی مانند سیدھا نہیں ہے کیونکہ وہ اس طرح دانت رکھتا ہے جس طرح میٹھے خربوزے میں دانت۔''

خواجہ عزیز الدین نے لڑکے کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور اسے پیار کرتے ہوئے کہا کہ:۔

> ''اگر تمہاری شاعری کا یہی حال رہا...... تم یقیناً اس میدان میں دنیا کی رہنمائی سرانجام دو گے۔''

وہ جس کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے وہ کتاب انہوں نے خسرو کو دی اور انہیں بتایا کہ وہ ''سلطانی'' اپنے قلمی نام کے طور پر استعمال کریں۔ خسرو نے یہ نام استعمال کیا تھا...... ''خسرو سلطانی''...... انہوں نے کسی قدر شاعری میں اپنا یہ نام استعمال کیا تھا۔ یہ وہ دن تھے جب خسرو نے تعریف سمیٹنی شروع کی تھی۔ اس کے علاوہ داد و تحسین وصول کرنی شروع کی تھی اور شہرت کمانی شروع کی تھی۔

اس کے بعد خسرو کے خوشگوار بچپن کو ایک دھچکا لگا۔ ان کا والد سرحد پر مغلوں کے ساتھ ایک مقابلے کے دوران مارا گیا۔ خسرو کی عمر اس وقت محض سات برس تھی اور انہوں نے ابھی ہنسنا اور مسکرانا سیکھا ہی تھا اور اپنے آپ کو مستحکم کرنے کا آغاز کیا تھا۔ یہ صدمہ خسرو کے لیے ایک عظیم صدمہ تھا اور اس صدمے نے ان کے معصوم دل پر ایک انمٹ زخم لگایا تھا اور ان کے ذہن کو بھی متاثر کیا تھا۔ وہ انتہائی آزردگی کا شکار تھے اور انہوں نے اپنے والد کے بارے میں تحریر کیا جن سے وہ بے حد محبت کرتے تھے۔

اپنے والد سے محبت اور ان کے بچھڑ جانے کے بارے میں ان کی شاعری کی ایک مثال درج ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

> ''ایک تلوار میرے سر کے پار ہو گئی اور میرے دل کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر گئی...... بالخصوص اس وقت جبکہ میری دریا کی روانی کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا اور موتی کو تنہا چھوڑ گئی۔''

لیکن خسرو کے نانا عماد الملک اپنے نواسے کو اس قدر آزردگی کا شکار نہ دیکھ سکے......

اس قدر تنہا اور صدمے کی حالات میں نہ دیکھ سکے...... لہٰذا انہوں نے اسے اپنی نگہداشت اور سرپرستی میں لے لیا اور اسے ہر وہ چیز مہیا کی جس کی ضرورت ایک بچے کو ہو سکتی تھی:۔

تعلیم

رہنمائی

مالی اور اخلاقی معاونت (ہر سطح پر)

حتیٰ کہ انہوں نے خسرو کو یہ اجازت بھی فراہم کی کہ وہ نہ صرف اپنی قسمت کا بذات خود انتخاب کرے بلکہ اپنی زندگی کے راستے اور پیشے کا بھی بذات خود انتخاب کرے...... اس طرح خسرو کو اعتماد اور قوت ارادی حاصل ہوئی اور وہ ایک دانش ور فلسفی...... شاعر...... لکھاری اور موسیقار کے روپ میں جلوہ گر ہوئے۔

لیکن افسوسناک امر یہ تھا کہ جب خسرو کی عمر بیس برس ہوئی اس وقت ان کے نانا بھی انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر 113 برس تھی۔ یہ ایک بدترین صدمہ تھا اور خسرو اس صدمے کو جھیلنے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ خسرو ماسوائے اپنا نام سب کچھ کھو چکے تھے اور ان کا نام اب بخوبی استحکام پذیر ہو چکا تھا۔

خسرو اس قدرتی عطیے کے مالک تھے کہ وہ شاعری کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اپنے نانا کی موت کے بارے میں اپنے خیالات تحریر کرنے کا عمل فراموش نہ کر سکے۔ ان کے نانا ایک قومی ہیرو تھے اور عظیم رہنما تھے۔ انہوں نے آٹھ مختلف شہنشاہوں کے ساتھ بطور وزیراعظم خدمات سرانجام دی تھیں۔

خسرو نے دیکھا کہ ان کے نانا کی موت کا سوگ لوگ گلیوں...... بازاروں...... اور کھیتوں میں منا رہے تھے...... شاہی دربار میں بھی ان کی موت کا سوگ منایا جا رہا تھا...... لوگوں نے سیاہ ماتمی لباس پہن رکھا تھا...... سروں میں راکھ ڈال رکھی تھی...... ننگے پاؤں لاکھوں کی تعداد میں لوگ پیدل چل رہے تھے۔ ان میں ہندو...... مسلم...... ترک اہلکار بھی شامل تھے اور عام لوگ بھی شامل تھے۔ تمام لوگ اپنے وزیراعظم کی موت کا سوگ منا رہے تھے۔

خسرو نے اس المیہ کے بارے میں ایک طویل نظم تحریر کی جس کے ہزاروں مصرعے تھے، لیکن جو کچھ بھی وقوع پذیر ہوا تھا...... اس موت اور المیہ نے خسرو کو انسانیت کا ایک پلیٹ فارم مہیا کیا اور خسرو کے دماغ نے ایک حکمت عملی ترتیب دینے کا آغاز کیا...... یہ حکمت عملی مشترکہ انسانی اقدار کے بارے میں تھی جو نسل...... مذہب...... رنگ...... مسلک کی

مساوات پر بنیاد کرتی تھی ...... جو نہ صرف عوام بلکہ غیر ملکیوں یا حکمرانوں اور کمیونٹی میں اتحاد پیدا کر سکتی تھی۔

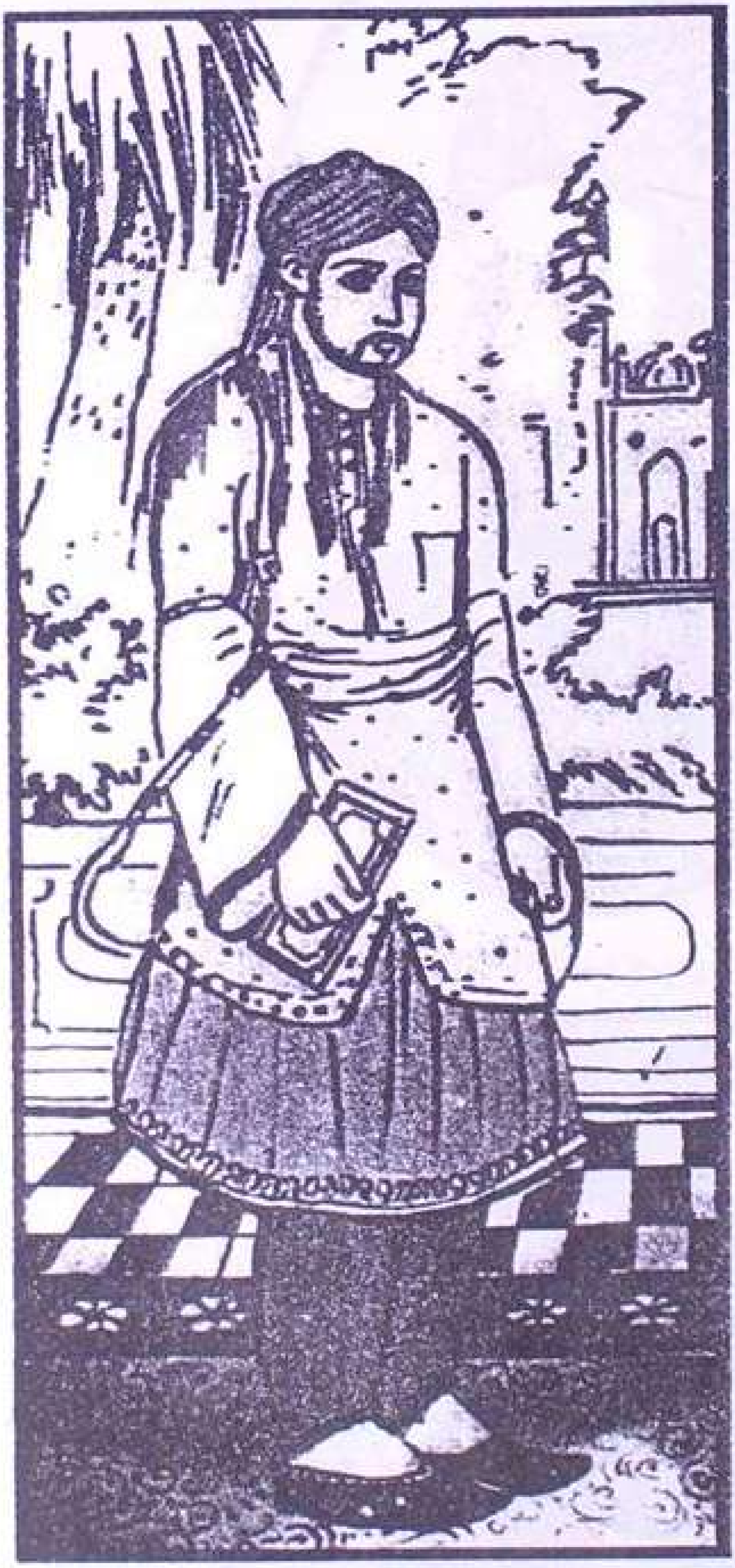

امیر خسرو اپنی نوجوانی کے عالم میں

(تعاون: پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پاکستان)

اگرچہ امیر خسرو کے نانا نے ان پر بے حد محبت نچھاور کی تھی اور انہیں دانش وری اور ہوش مندی اور زیرکی کا درس دیا تھا...... اس درس میں زندگی کے تمام تر پہلو شامل تھے...... فرش سے لے کر شاہی دربار تک...... لیکن چونکہ خسرو کی عمر ابھی محض بیس برس تھی لہٰذا وہ اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں دقت کا شکار تھے۔ انہوں نے اپنی امنگوں اور خواہشات کو پروان چڑھانا تھا اور ان لوگوں کی امیدوں پر نہ صرف پورا اترنا تھا بلکہ ان کی امیدوں سے بڑھ کر عظمت حاصل کرنی تھی جنہوں نے کسی قدر شہرت کمانے میں ان کی معاونت سرانجام دی تھی اور مقبولیت حاصل کرنے میں ان کی مدد کی تھی۔ اگرچہ ان کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا لیکن انہوں نے عالمی برادری میں اپنے آپ کو تسلیم کروانا تھا۔

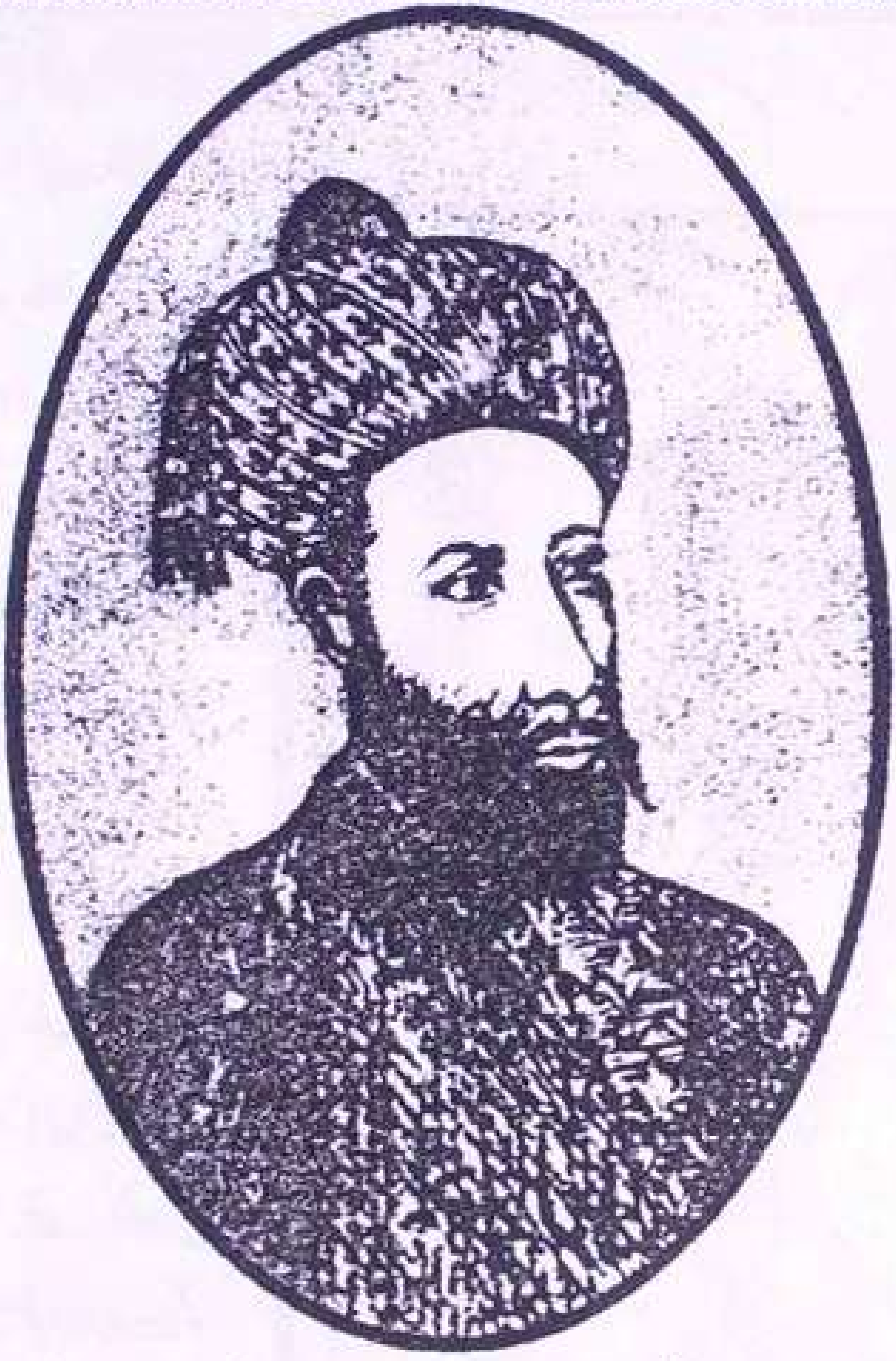

شہنشاہ ناصر الدین محمود (تعاون:۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پاکستان)

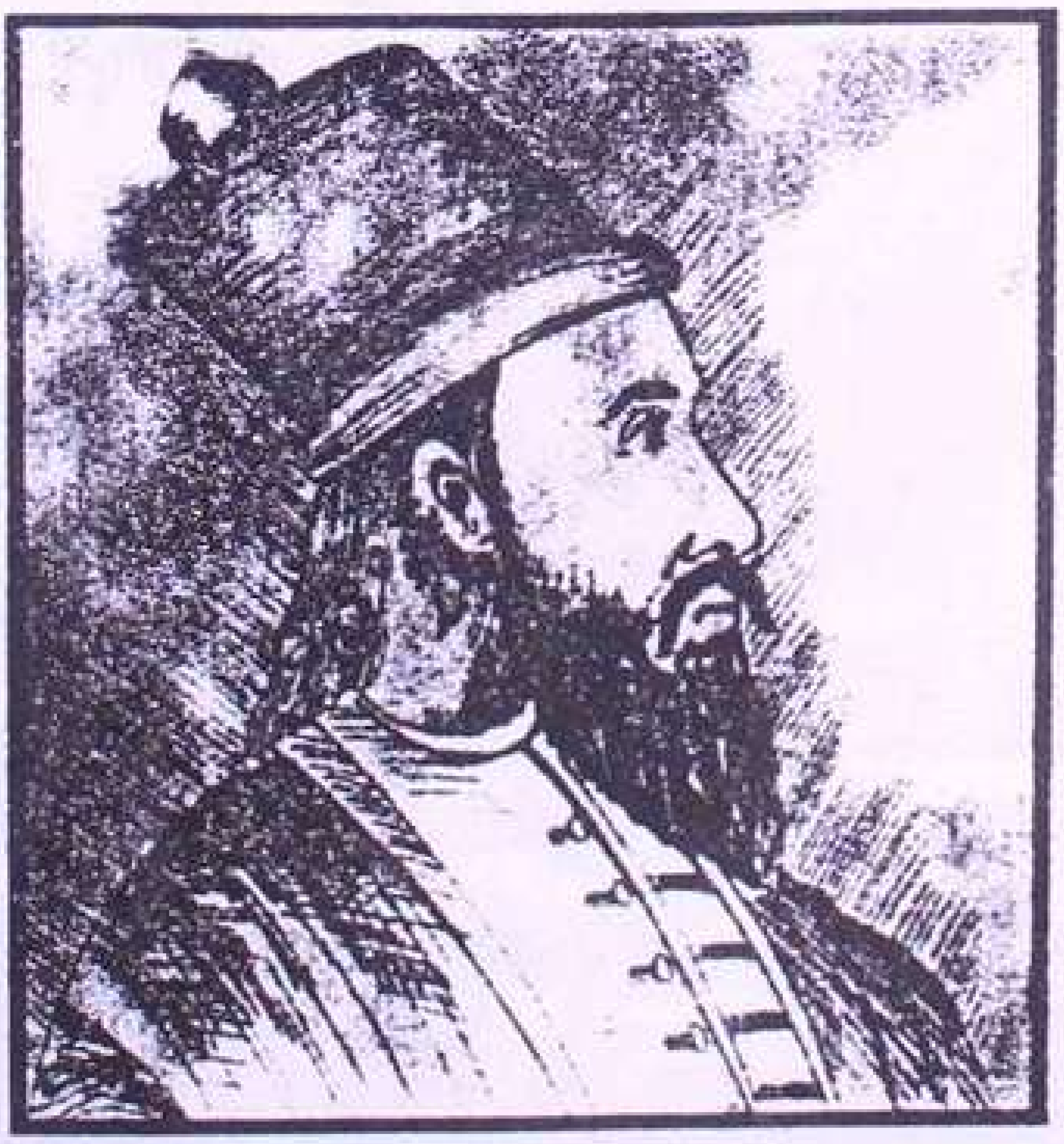

شہنشاہ غیاث الدین بلبن (تعاون: پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پاکستان)

باب نمبر 2

- ☆ ان کی خود مختار زندگی
- ☆ مقبولیت
- ☆ ان کے بہی خواہ:۔ چاجو خان (Chaju Khan)، بغرا خان (Bughra Khan)
- ☆ شاہی پارٹیاں
- ☆ شہزادہ محمد اور خسرو ملتان میں
- ☆ ان کی گرفتاری......
- ☆ مغلوں سے بچاؤ
- ☆ معاشرتی اور معاشی صورت حال
- ☆ بلبن کی وفات
- ☆ بغرا خان اور کیکاباد (Kaikabad) میں لڑائی اور مصالحت
- ☆ خاندان غلاموں کا خاتمہ

◆ ◆

اب تک خسرو ایک جانے پہچانے شاعر بن چکے تھے اور معاشرے میں ان کا مستقبل روشن تھا۔ سماجی اور ثقافتی حلقوں میں ان کی بخوبی پذیرائی کی جاتی تھی۔ انہوں نے بہت سی اعلیٰ شخصیات کو منظوم خراج تحسین پیش کیا تھا اور ان کی تعریف سرانجام دی تھی، لیکن روایات اور رواج کے مطابق خسرو کو کوئی ایسی ہستی تلاش کرنا تھی جو باعزت طور پر ان کی سرپرستی سرانجام دے سکے اور وہ روزمرہ زندگی کی ضروریات اور معاشی ضروریات سے آزاد ہو سکیں۔

بالآخر ان کا مقصد پورا ہوا اور وہ جس ہستی کی تلاش میں تھے وہ ہستی انہیں میسر آ چکی تھی۔ وہ شہنشاہ غیاث الدین بلبن کا بھتیجا تھا اور وہ ایک مقبول شخصیت تھی۔ اس کا نام علاؤ الدین کشلی خان (Kushli Khan) تھا اور وہ عام طور پر چاجو خان (Chaju Khan) کے نام سے جانا جاتا تھا۔

چاجو خان بہت زیادہ امیر تھا...... مقبول تھا...... اثر و رسوخ کا حامل تھا...... اور ایک ایسا شہزادہ تھا جو محترم تھا اور عزت و احترام کا حامل تھا۔ شاہی خاندان بھی اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ شاہی خاندان میں بھی مقبول تھا۔ وہ تمام تر شاعروں اور مفکرین کو تحائف اور

اعزازات سے نوازتا تھا۔ وہ ان پر تحائف اور اعزازات کی بارش کر دیتا تھا...... ان شاعروں کو نوازتا جو شاہی خاندان کے ساتھ وابستہ تھے۔ ایک مرتبہ ایک شاعر نے اس کی تعریف میں ایک نظم پڑھی اور چاجو خان نے اسے انعام میں سینکڑوں گھوڑوں سے بھرا ہوا اصطبل پیش کیا تھا اور اس کے اہل خانہ نے بھی اس شاعر کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔

خسرو چاجو خان کے ساتھ منسلک ہونے کو ایک اعزاز تصور کرتے تھے اور اپنی اس حیثیت پر فخر کرتے تھے اور نازاں تھے۔ وہ اس کے لیے دو برس تک شاعری اور نثر نگاری کرتے رہے اور بہت خوش تھے۔ انہوں نے اپنے بہی خواہ کی شان میں اس سے اولین ملاقات کرنے سے قبل چند مصرعے تحریر کیے جن کا ترجمہ کچھ یوں تھا:۔

خسرو نے کہا:۔

''میں نے دن کی روشنی سے دریافت کیا کہ میرا مقدر کیا کہتا تھا''

آسمان سے جواب آیا کہ:۔

''چاجو خان ہی درست رہے گا۔''

یہ دو برس جو خسرو نے چاجو خان کی سرپرستی میں گزارے یہ دو برس ان کی شاعری...... مقبولیت...... ادب...... موسیقی اور سماجی اور ثقافتی فروغ اور نشو و نما اور ترقی کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ اپنی مٹھاس بھری شاعری اور شاندار آواز کی بدولت خسرو امیر شاہی حلقے میں مقبولیت پا رہے تھے۔ شاہی حلقے کا ہر ایک فرد بھی چاہتا تھا کہ وہ امیر خسرو کی خدمات سے استفادہ حاصل کرے اور اس طرح شاہی حلقے کے اراکین کے مابین حسد اور عدم اتفاق نے جنم لیا کیونکہ اس حلقے کے کچھ اراکین ایسے تھے جو خسرو کی خدمات کے حصول کی مالی سکت نہ رکھتے تھے۔

لیکن خسرو ایک کٹر مسلمان تھے۔ وہ انسانیت پر یقین رکھتے تھے اور عجز و انکساری کے پیکر تھے وہ عام لوگوں کو فراموش نہ کر سکتے تھے...... وہ ان عام لوگوں کو فراموش نہ کر سکتے تھے جو غریب تھے...... بے گھر تھے...... قسمت کے مارے ہوئے تھے...... اور ان کے نانا کی تجہیز و تکفین کے موقع پر ان کے ساتھ تھے اور ان کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ خسرو ان تمام لوگوں کو نوازنا چاہتے تھے جو ان کے نانا کی وفات پر ان کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ وہ لوگ ننگے پاؤں تھے...... ننگے سر تھے...... وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے اور جلتے سورج کے نیچے

ان کے نانا کی میت کے جلوس میں شریک تھے۔ وہ ہمیشہ ان لوگوں کے بارے میں سوچتے رہتے تھے اور ان کے ساتھ رہنے کی خواہش میں مبتلا رہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی اور ان کا اولین مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کی خدمت کی جائے اور محض امیر شاہی حلقے کے افراد کی خدمات نہ کی جائے۔

خسرو نے اپنے ان احساسات کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی تھی ماسوائے اپنے انتہائی نزدیکی دوست امیر نجم الدین حسن سنجری (کبھی کبھار کئی ایک تاریخ کی کتب میں ان کا نام حسن دہلوی بیان کیا گیا ہے) حتیٰ کہ ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس کے تحت خسرو کو چاجو خان کے عتاب سے بچنے کے لیے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس واقعہ کی تصدیق دیگر سوانح نگاروں نے بھی کی ہے مثلاً ڈاکٹر مجیب رضوی اور جناب غلام سمانی وغیرہ۔

اس واقعہ کی تفصیل خسرو نے بذات خود بیان کی۔ یہ واقعہ ان کی زبانی کچھ یوں پیش آیا تھا کہ:۔

> ”ایک مرتبہ شہنشاہ کا چھوٹا بیٹا بغرا خان (Baghra Khan) اپنے کزن چاجو خان سے ملنے کے لیے آیا۔ اس ملاقات کو خفیہ رکھا گیا تھا کیونکہ بغرا خان اپنی غیر معمولی پارٹیوں میں اسراف اور فضول خرچی کے لیے مشہور تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ معاملہ شہنشاہ کے علم میں آئے۔ شہزادہ اپنے دوستوں کے ایک گروپ کے ہمراہ آیا تھا اور ان میں دو نامور اور مشہور و معروف شاعر بھی شامل تھے...... قاضی اسیر اور شمش الدین دبیر۔ میرے مقابلے میں یہ دونوں شاعر عالمی شہرت کے حامل تھے۔ شہزادے اس ملاقات کے ہر ایک منٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ موسیقی اور شاعری دونوں سے بخوبی لطف اندوز ہو رہے تھے۔
>
> پارٹی اس وقت اپنے جوبن پر تھی جبکہ ان دونوں شاعروں نے اپنا کلام پیش کیا۔ ان پر تحائف کے علاوہ سونے اور چاندی کے سکوں کی بارش کی جا رہی تھی اور ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے سکے بنانے والی مشین سکے تیار کرتی چلی جا رہی تھی اور بارش کے قطروں کی بجائے سونے کے سکوں کی بارش ہو رہی تھی۔ ان شاعروں کے بعد وہ میرا کلام سننے میں کسی

> قدر مایوسی کا مظاہرہ کر رہے تھے، لیکن جب میں نے اپنا کلام اپنی ستار کے ساتھ پیش کیا تو محض خدا ہی جانتا ہے کہ مجھ پر کس قدر سونے کے سکے اور جواہرات نچھاور کیے گئے۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا ٹرے لایا گیا جو سونے کے سکوں اور زیورات سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ٹرے شہزادہ بغرا کا ایک ملازم لایا تھا اور یہ ٹرے مجھے پیش کیا گیا۔ شہزادہ بغرا نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں چاجو خان کا ساتھ چھوڑ دوں اور اس کے ہمراہ چلوں۔ جو سونا مجھ پر نچھاور کیا گیا تھا اس کی مقدار اس قدر زیادہ تھی کہ اسے گھر لے جانا میرے لیے بہت مشکل تھا اور میں شہزادہ چاجو خان کا رد عمل اس کے چہرے پر پڑھ سکتا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس کے رد عمل کا بخوبی اظہار کر رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ حسد کی بنا پر وہ اندر سے کس قدر غصہ اور ناراضگی محسوس کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے ہلاک کر دے گا اور میں نے اس کے اس عمل درآمد کے بارے میں سن بھی رکھا تھا۔ کچھ دنوں تک شہزادہ چاجو نے میرے ساتھ بات تک نہ کی تھی۔ لہٰذا اس خطرے کے پیش نظر کہ کسی روز شہزادے کے حکم سے ایک ننگی تلوار کا حامل شخص میرے دروازے پر دستک دے گا......
>
> میں اپنی جان بچانے کے لیے اس طرح بھاگا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر سیدھا بھاگتا ہے اور سیدھا شہزادہ بغرا خان کے تحفظ میں جا کر پناہ لی اور وہ مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔“

شہزادہ بغرا خان نے امیر خسرو کے شاہی مرتبے میں اضافہ کیا...... اسے خلعت عطا کی اور ان کے وظیفے میں بھی اضافہ کیا لیکن اسے شہنشاہ کی فوج کے ہمراہ ایک جنگ کے لیے روانہ ہونا پڑا اور اس نے خسرو کو شمال۔ مشرقی ہندوستان کے ایک مقام سماز (Samaz) میں چھوڑا تا کہ وہ زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں اور بذات خود فوج کے ساتھ کوچ کر گیا۔

خسرو کو وہ مقام ہرگز پسند نہ آیا۔ عورتیں...... شراب...... اسراف بے جا اور فضول خرچی پر مبنی پارٹیاں...... دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور دولت کا ضیاع اور سب سے بڑھ کر یہ کہ غیر ضروری لڑائیاں اور ہلاکتیں...... یہ سب کچھ امیر خسرو کی فطرت کا حصہ نہ تھا۔ انہوں

نے سوچا کہ وہ کسی کے ٹی وی…… ویڈیو…… سی ڈی…… ڈی وی ڈی…… یا تفریح کا کوئی اور ذریعہ نہ تھے۔ وہ ایک آزاد شخص تھے اور غلام نہ تھے۔ وہ شاعر تھے……لکھاری تھے……گلوکار تھے……موسیقار تھے……اور تمام تر امراء اور غرباء کی ثقافت تھے……لہٰذا انہوں نے دہلی جانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے بہت سے قصیدے لکھے تھے (تعریف و توصیف اور داد تحسین پیش کرنے کی شاعری) یہ قصیدے انہوں نے متذکرہ شہزادے کے اعزاز میں لکھے تھے…… یہ اس شکرانے کے طور پر تھے جو کچھ شہزادے نے خسرو کے لیے کیا تھا…… لیکن وہ وہاں پر زیادہ عرصے تک مقیم نہ رہ سکے تھے۔ اگر چہ شہزادے کے نزدیکی دوستوں اور محافظوں نے کافی زیادہ اصرار بھی کیا تھا۔

خسرو دہلی چلے آئے تھے اور انہوں نے شہنشاہ بلبن سے ملاقات کی۔ وہ ایک معرکے سے فتح یاب ہو کر واپس آیا تھا۔ تمام تر ملک بالخصوص دہلی میں اس فتح کا جشن اور خوشی منائی جا رہی تھی اور بادشاہ کی فتح کا جشن اپنے عروج پر تھا جبکہ بادشاہ کا بڑا بیٹا شہزادہ قان (QAAN) بھی اچانک وہاں پر آن پہنچا۔ شہزادے کو اپنے باپ کی فتح کی خبر موصول ہو چکی تھی اور وہ شہنشاہ کو مبارکباد پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ وہ ملتان سے دہلی آیا تھا جہاں پر وہ گورنر کے عہدے پر فائز تھا۔

خسرو ولی عہد شہزادہ معزز خان عظیم قان ملک جو عام طور پر شہزادہ محمد خان کہلاتا تھا کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کے احوال بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''جیسا کہ میری قسمت میں خان عظیم (شہزادہ محمد) کا ساتھ لکھا تھا۔ اس نے مجھے طلب کیا کیونکہ اس نے میرے بارے میں سن رکھا تھا اور وہ مجھے جانتا تھا۔ جونہی میں اس کی تعظیم کے لیے جھکا اس نے مجھے بتایا کہ وہ میری شاعری کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا اور وہ مجھ سے کچھ تازہ شاعری سننے کے موڈ میں تھا۔ میں نے چند مصرعے اس کی خدمت میں پیش کیے اور شہزادے کو میری شاعری بے حد پسند آئی۔ اس نے مجھے داد و تحسین پیش کی اور مجھے خصوصی خلعت اور پگڑی سے نوازا اور بہت سے دیگر تحائف بھی عطا کیے اور اس کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ مجھے اس کے ہمراہ ملتان جانا ہوگا۔''

خسرو کے پاس دوسرا حق انتخاب موجود نہ تھا ماسوائے اس کے کہ وہ کہیں کہ:۔

"عالی جاہ...... درست ہے۔ میں آپ کے ہمراہ چلوں گا۔"

لہٰذا خسرو نے ایسا ہی کیا اور اس کے ہمراہ ملتان چلے آئے اگرچہ وہ اندر سے بہت زیادہ بے چین اور پریشان تھے اور وہ محسوس کر رہے تھے جیسے وہ ایک انسان نہیں بلکہ ایک جنس ہیں جسے منڈی میں فروخت کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ خسرو اپنے قریبی دوست حسن سنجری کے ہمراہ ملتان چلے آئے جہاں پر وہ دونوں شہزادے کی رفاقت سے لطف اندوز ہوئے۔ وہاں کے موسم...... خوراک...... پھل...... خوبصورتی...... پارٹیوں اور ادبی اور ثقافتی شاموں اور تفریحات کے بارے میں خسرو نے 23 قصیدوں میں تذکرہ کیا تھا...... قصیدہ سے مراد وہ شاعری جو انہوں نے اپنے ولی عہد شہزادہ محمد کو داد تحسین پیش کرنے کے لیے تحریر کی تھی۔

خسرو اور ان کے دوست حسن دونوں تقریباً پانچ برس تک ملتان میں مقیم رہے اور اس کے بعد اچانک شہزادہ محمد اور اس کی فوج منگولوں کے حملے کی زد میں آ گئی۔ یہ حملہ غیر متوقع تھا اور اچانک کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسی تخریب کاری تھی جسے جان بوجھ کر سرانجام دیا گیا تھا اور اس تخریب کاری کے دوران شہزادہ ہلاک ہو گیا اور خسرو اور ان کا دوست حسن دونوں گرفتار کر لیے گئے...... دیگر بہت سے لوگ بھی گرفتار ہوئے۔ ان کو چاقو کی نوک پر گرفتار کیا گیا تھا۔ انہوں نے منگولوں کی قید سے کس طرح رہائی پائی اور کس طرح پیدل دہلی پہنچے...... یہ داستان خسرو نے بذات خود اپنی ایک اور کتاب گھورۃ الکمال (Ghura-tul-Kamal) میں بیان فرمائی ہے:۔

> "یہ ایک اچانک حملہ تھا جو رات کے وقت کیا گیا تھا۔ اس وقت ہمارا شہزادہ محمد عشاء کی نماز ادا کر رہا تھا۔ اسے فوراً ہلاک کر دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے بہت سے محافظوں اور سپاہ کو بھی ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ہر طرف خون بہہ رہا تھا اور یہ ایک ایسا منظر تھا جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ہمارے ساتھ ہزاروں دیگر لوگ بھی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ قیدی فرش پر پڑے تھے۔ ان کے ہاتھ...... پاؤں...... اور گردنوں کو رسوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا اور یہ انسانوں کا ایک ایسا قالین بن چکا تھا جو خون میں ڈوبا ہوا تھا...... میں نے اور حسن نے

> کسی نہ کسی طرح فرار ہونے کا بندوبست کیا تھا لیکن کئی میل تک گھوڑا سوار ہمارا پیچھا کرتا رہا تھا۔ ہم اسے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو چکے تھے، لیکن ریت...... خاردار جھاڑیوں وغیرہ نے ہمارے کمزور اور ناتواں جسموں کی رہی سہی طاقت بھی سلب کر لی تھی اور موت کا خطرہ بھی ہمارے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ اس خطرے نے بھی ہماری طاقت سلب کر لی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنی زندگیاں بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اگرچہ ہم زخموں سے چور تھے۔ خاردار جھاڑیوں کی وجہ سے ہمیں کافی زیادہ زخم لگے تھے۔"

خسرو نے دہلی پہنچ کر سکھ کی سانس لی کیونکہ دہلی کبھی بھی ان کے ذہن سے محو نہ ہوا تھا اگرچہ وہ ان کی آنکھ سے اوجھل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ دہلی کی خوبصورتی اور اس کے ماحول کی خوبصورتی کبھی فراموش نہ کر سکتے تھے اور انہوں نے اس کے بارے میں بہت زیادہ لکھا بھی تھا۔

ملتان کے المیے اور جان بچانے کے لیے ملتان سے فرار کی داستان نے ان کے ذہن پر انمٹ اثرات ثبت کیے تھے کیونکہ ان کا عظیم بہی خواہ ان سے چھن چکا تھا...... ایک مہربان سرپرست ان سے جدا ہو چکا تھا اور ان کا عظیم قدردان ان کا دوست شہزادہ ان سے جدا ہو چکا تھا اگرچہ ان کی صوفیانہ اور دانشورانہ قوتیں اور ان کی تحریریں ایک ایسی سطح تک پہنچ چکی تھیں جس سطح پر پہنچنے کے لیے دیگر لکھاری محض خواب ہی دیکھ سکتے تھے۔

شبلی نعمانی کے بقول خسرو نے ملتان میں پنجابی زبان سیکھی تھی اور وہ اسے "سیدھی سادی اور میٹھی" زبان کہتے تھے۔ انہوں نے پنجابی زبان میں بھی بہت سی تحریریں پیش کی تھیں (اس دور کی سرکاری زبان) اور اس کی گرائمر کے قواعد کے تحت تحریر کی تھیں۔ خسرو نے بہت سے پنجابی دوہرے بھی تحریر کیے تھے...... یعنی اردو کی جدید رباعی (چار مصرعوں کی شاعری)

خسرو نے اپنے شہزادے محمد کی زندگی اور کردار کے بارے میں تقریباً 23 قصیدے تحریر کیے تھے اس کی سخاوت اور فیاضی اور اس کی داد و تحسین دینے کے بارے میں بھی تذکرہ موجود تھا۔ لیکن خسرو جب تنہائی میں غور و خوض کرتے تھے...... وہ بہت زیادہ آزردگی کا شکار ہوتے تھے۔ خسرو نے جو کچھ بھی دیکھا تھا وہ شاہی حلقے میں ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور یہ محلات کی دیواروں کے اندر واقع تھا۔ جبکہ ان دیواروں کے باہر بہت زیادہ ظلم و ستم اور محرومی

رقص کر رہی تھی۔ عام آدمی کی زندگی بہتر بنانے کی کوئی حکمت عملی یا سماجی ترقی کا منصوبہ نہ تھا۔ طاقتور لوگوں کے ہاتھ میں دولت کی ریل پیل تھی۔ دولت طاقتوروں کی غلام تھی اور معاشرہ غربت کی چکی میں پسا ہوا تھا۔

مجھے یقین ہے کہ خسرو نے اپنی فطرت کے عین مطابق ہر اس چیز کے بارے میں لکھا ہو گا جو ان کی نظروں میں آئی تھی یا ان کے مشاہدے میں آئی تھی اور ان کی یہ تحریریں محلاتی سازشوں اور تخت دہلی کی سازشوں یا شاہی خاندانوں کی رونقوں سے ہٹ کر تھیں اور حوادث زمانہ نے ان کی ان تحریروں کو ناپید کر دیا ہے۔ یہ حوادث زمانہ اور سیاسی نشیب و فراز ان کی وفات کے بعد منظر عام پر آئے تھے۔

ولی عہد شہزادہ محمد کی ہلاکت کے بعد شہنشاہ بلبن دل شکستہ اور حقیقت میں اداس اور غمگین تھا۔ اس کی عمر 80 برس تھی۔ اس کی صحت گر چکی تھی اور وہ دن بہ دن جسمانی اور ذہنی لحاظ سے کمزور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی کے دن بھی گنے جا چکے تھے۔ وہ اپنے چھوٹے بیٹے بغرا خان کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا لیکن شہزادے کی فضول خرچی اور خود غرضی کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کے بعد اس نے شہزادہ محمد کے بیٹے کیک ہسرو (Kaik Husro) کو اپنا ولی عہد بنانے کے بارے میں غور کیا لیکن اس کے شاہی مشیروں بالخصوص اس کے وزیر داخلہ جو جیل خانہ جات کا بھی ذمہ دار تھا وغیرہ نے اس کی حوصلہ شکنی کی۔ جیل خانہ جات کے وزیر ملک العمرہ (Malik-ul-Amra) نظام الدین نے شہنشاہ کو اس امر پر راغب کیا کہ وہ بغرا خان کے بیٹے شہزادہ کیک باد کو اپنا ولی عہد منتخب کرے اور شہنشاہ نے بادل نخواستہ یہ تجویز منظور کر لی۔

کیک باد (Kaikbad) 18 سالہ نوجوان تھا جس کی تربیت مذہبی ماحول میں سرانجام دی گئی تھی۔ وہ معصوم فطرت اور معصوم کردار کا حامل نوجوان تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے سامنے کیا دشواریاں تھیں جبکہ اسے ایک ایسی دنیا کا مقابلہ کرنا تھا جو طاقت...... دولت...... عورتوں...... اور شراب کے نشے میں مخمور تھی۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کیک باد خود غرضی اور ناپسندیدہ عادات کا شکار ہو گیا جبکہ انتظامی امور یا حقیقی اختیارات نظام الدین ملک کے ہاتھ میں چلے گئے۔ دہلی سازشوں اور غداروں کا گڑھ بن چکا تھا اور شہزادہ محمد کے بیٹے کیک ہسرو کو اس کے مرحوم والد کی جگہ ملتان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور اسے بھی ملک نظام

الدین کے ایجنٹوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ شہنشاہ بلبن ایک اور موت برداشت نہ کر سکا اور یہ موت اس کے پوتے کیک ہسرو کی موت تھی۔ چالیس برس حکومت کرنے کے بعد بالآخر وہ بھی موت کی آغوش میں جا پہنچا اور ملک ابتری اور خانہ جنگی کی لپیٹ میں تھا۔

بلبن کا چھوٹا بیٹا بغرا خان...... لکھنوتی کا گورنر دہلی کی صورت حال سے مکمل طور پر باخبر تھا اور وہ اپنے بیٹے کی نا اہلی سے بھی مکمل طور پر باخبر تھا۔ یعنی شہنشاہ کیک باد جس کے اختیارات ملک نظام کے ہاتھوں میں مرکوز ہو رہے تھے۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ دہلی پر حملہ آور ہو اور بذات خود کنٹرول سنبھال لے۔ اس پروگرام کی خبر جب کیک باد کے کان میں پڑی...... اس نے بھی اپنی فوج تیار کی اور اس کے مشیر مثلاً امیر خسرو اور خسرو کا سرپرست جنرل حاتم خان بھی اس کے ہمراہ تھے۔ خسرو شہزادہ محمد کی ہلاکت کے بعد جنرل حاتم خان کی سرپرستی میں آ چکے تھے۔ باپ اور بیٹے کی افواج ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھیں اور ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار تھیں۔ یہ جنگ دہلی کے تخت کا کنٹرول سنبھالنے کی جنگ تھی اور غدار نظام الدین سے نجات حاصل کرنے کی جنگ تھی اور امیر خسرو شہنشاہ کیک باد کے ساتھ تھے اور حیران تھے کہ وہ وہاں کیا کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کا مقصد ہرگز نہ تھا اور وہ اس مسئلے کو بخوبی حل کرنے کی تدابیر سوچ رہے تھے۔ خوش قسمتی سے شہزادہ بغرا کے کچھ مشیر...... مثلاً قاضی امیر اور شمس الدین دابیر بھی انہی نظریات کے حامل تھے جن نظریات کے حامل امیر خسرو تھے اور ان سب نے مداخلت سرانجام دیتے ہوئے مزید خون خرابے کو روکا۔

وہ جشن منانے کی گھڑی تھی اور اس وقت خسرو خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ انہوں نے ایک طویل نظم تحریر کی جس میں شہنشاہ اور اس کے باپ دونوں کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ کیک باد نے خصوصی طور پر امیر خسرو سے درخواست کی کہ وہ تمام تر قسط اس کے لیے تحریر کریں اور امیر خسرو نے یہ کام ایک کتاب کی شکل میں سرانجام دیا اور انہوں نے یہ کتاب چھ ماہ میں مکمل کی اور یہ کتاب 13,944 مصرعوں پر مشتمل تھی۔ اس وقت خسرو کی عمر 36 برس تھی۔

کیک باد نے بمشکل تین برس تک حکمرانی سرانجام دی اور وہ دورانیہ خاندان غلاماں کے لیے ایک نازک دور تھا...... یہ حکمرانی قطب الدین ایبک نے قائم کی تھی۔ شہنشاہ شمس الدین التمش نے ملک کو کسی قدر قانون اور نظم و نسق عطا کیا تھا اور دیگر حکمران اس قابل نہ تھے۔ غدار نظام الدین کو ہلاک کر دیا گیا تھا اور کیک باد نے جلال الدین خلجی سے کہا تھا کہ وہ ایک عبوری

حکومت تشکیل دے کیونکہ کیک باد بذات خود فالج کے مرض کا شکار ہو چکا تھا۔ ہلاک کیے جانے والے نظام الدین اور نئے وزیر اعظم جلال الدین خلجی کے حامیوں کے درمیان خونریز جھڑپیں ہوئیں اور ان جھڑپوں میں جلال الدین کے گروپ کو فتح نصیب ہوئی۔ ان جھڑپوں کے دوران کسی نے کیک باد کو ہلاک کر دیا اور اس طرح جلال الدین دہلی کا نیا شہنشاہ بن گیا۔

یہ خاندان غلاماں کا اختتام تھا...... اور ہندوستان برصغیر میں سیاست کے ایک دور کا بھی اختتام تھا۔ ان کے دور حکومت کے دوران کوئی بھی ڈرامائی تبدیلی منظر عام پر نہ آئی تھی ماسوائے شمس الدین التمش کے دور حکومت کے دوران۔ کوئی سماجی یا معاشرتی یا معاشی ترقی نہ ہوئی تھی۔ غریب اور بدقسمت لوگوں کی کوئی شنوائی نہ تھی۔ ان کے لیے کسی نے کوئی آواز بلند نہ کی تھی۔ دولت ابھی تک جنگجو سرداروں اور جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی اور عام لوگوں کو امراء کے غلاموں کی طرح کام کرنا پڑتا تھا اور ان کے اپنے کوئی حقوق نہ تھے۔

خسرو یہ تمام تر مشاہدہ سرانجام دے رہے تھے اور ان کے دل و دماغ میں ایک آتش فشاں پہاڑ کا لاوا کھول رہا تھا۔

* * *

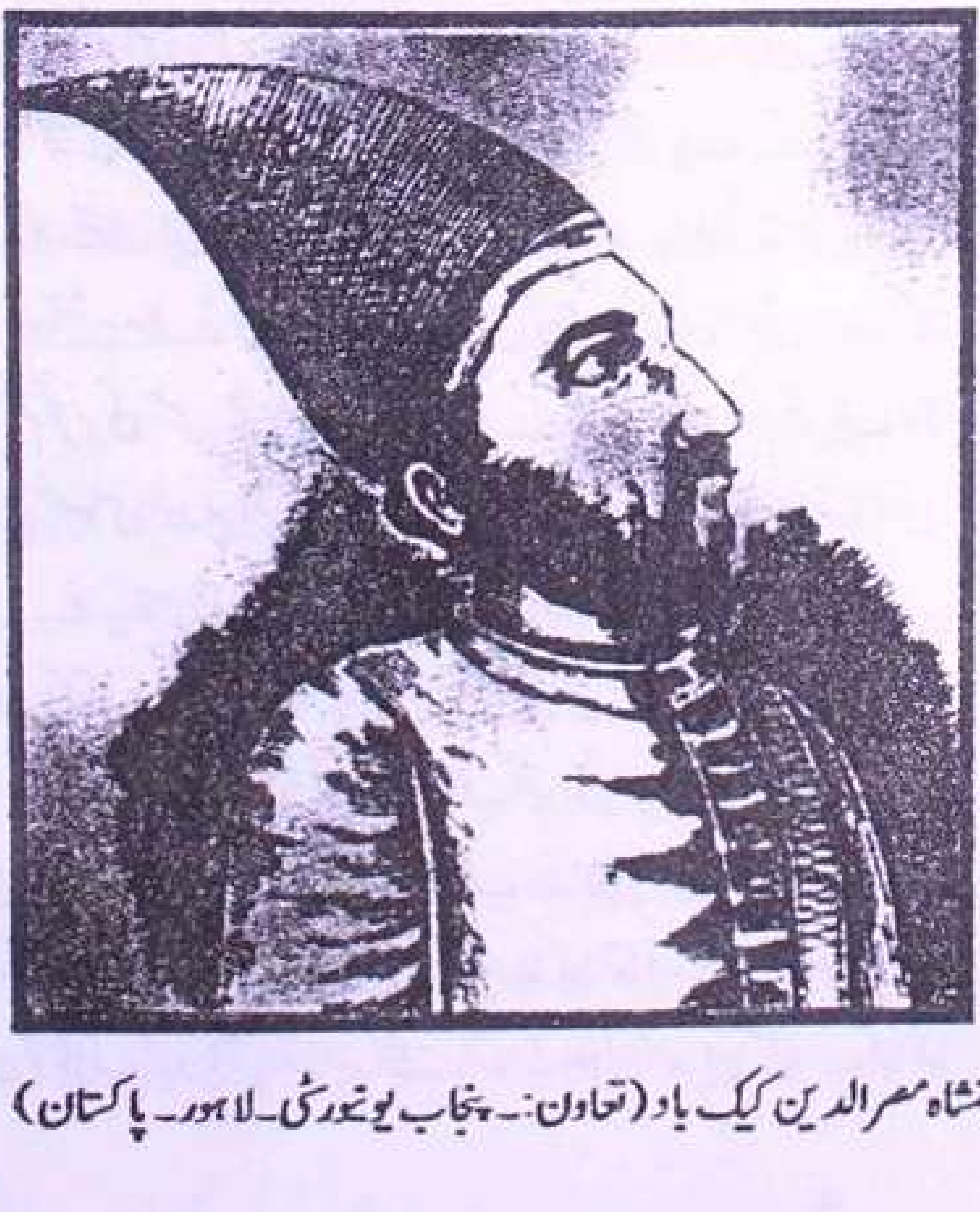

شہنشاہ معز الدین کیک باد (تعاون:۔ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔ پاکستان)

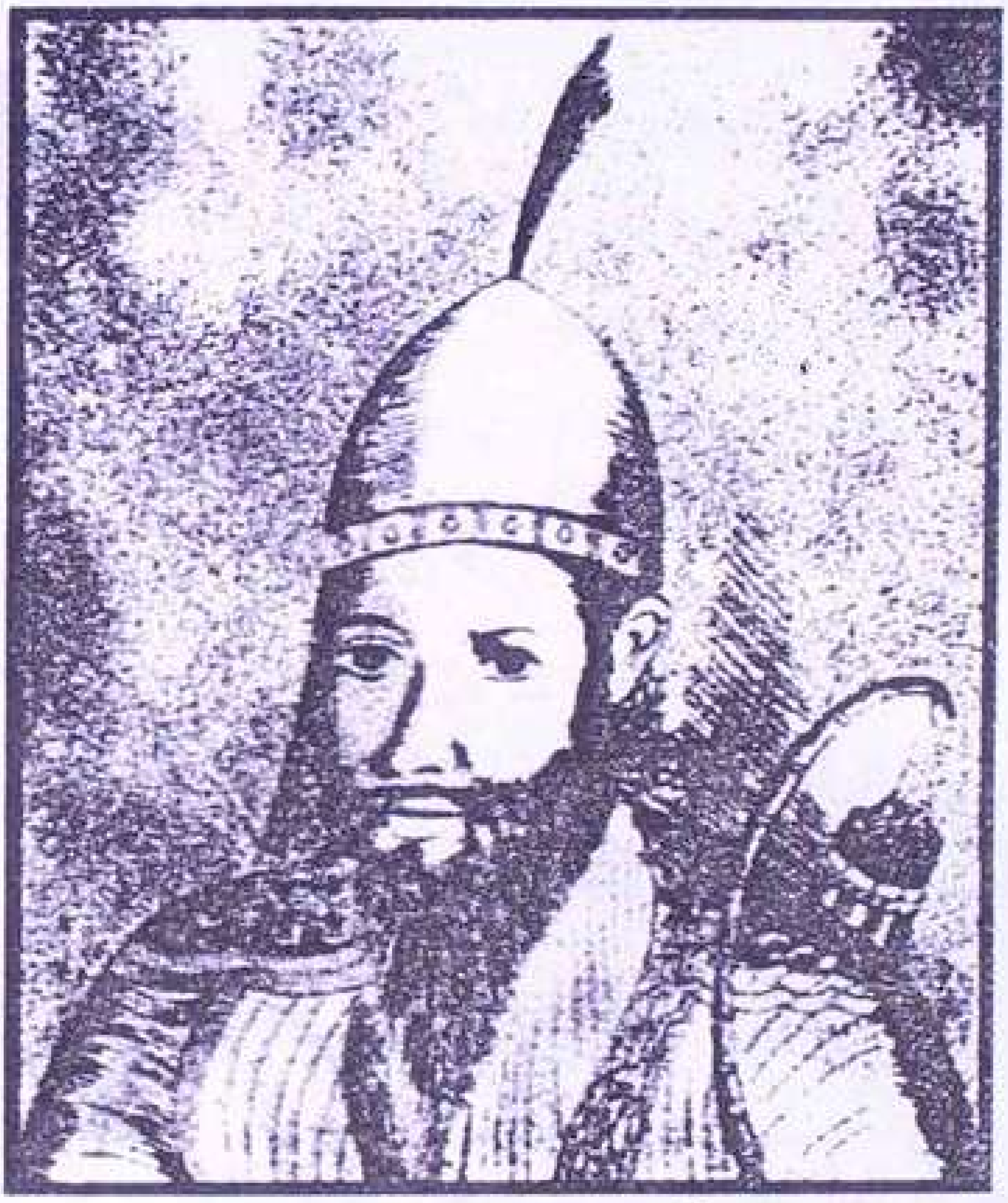

شہنشاہ جلال الدین خلجی (تعاون :۔ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔ پاکستان)

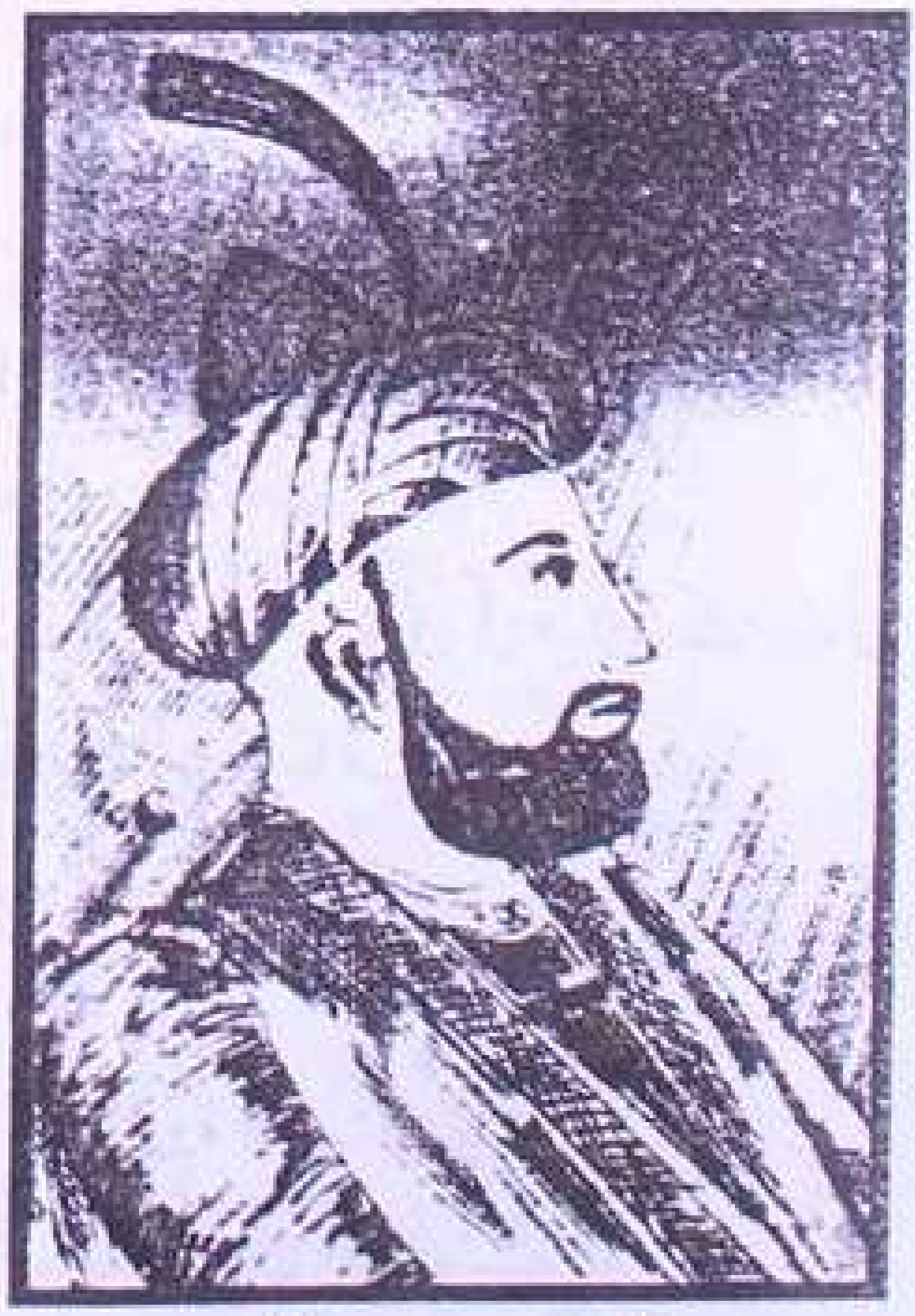

شہنشاہ علاؤ الدین خلجی

(تعاون :۔ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔ پاکستان)

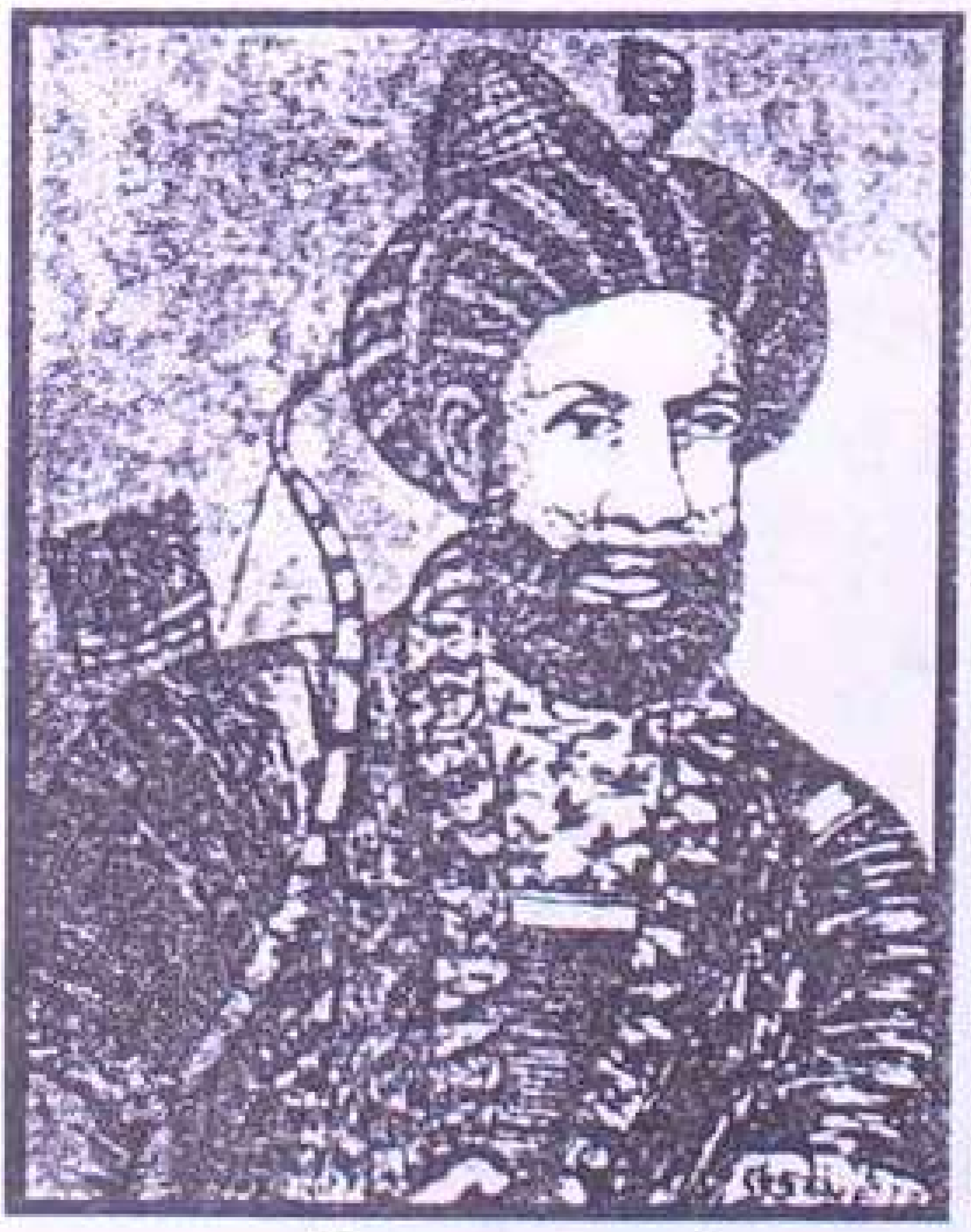

شہنشاہ قطب الدین خلجی

(تعاون :۔ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔ پاکستان)

باب نمبر 3

☆ نئے حکمرانوں خلجیوں کا دور
☆ خسرو بطور منصب دار
☆ خسرو کا خوشگوار ترین دور...... جلال الدین خلجی اور اس کے بچوں کے ہمراہ...... ان کی مقبولیت اور شاعری اپنے نقطۂ عروج پر
☆ غداری کے نتیجے میں جلال الدین کی موت
☆ نیا شہنشاہ علاؤالدین
☆ خسرو کی محاذ آرائی اور زیر عتاب آنے کی داستان
☆ محل سے اخراج
☆ عہدے اور مشاہرے سے محرومی
☆ خسرو بطور ایک عوامی آواز
☆ خسرو 12 ویں صدی کے ہندوستان، پاکستان کے برصغیر کے نیلسن منڈیلا کے طور پر
☆ علاؤالدین کی فتوحات
☆ معاشرتی اور معاشی ترقی
☆ نئے قوانین اور نظم و نسق
☆ خسرو کے کھلے عام مشاعرے
☆ نئی زبان کے لئے تجربے کا آغاز...... کیونکہ خسرو ایک عام آدمی بن چکے تھے
☆ علاؤالدین خلجی کی وفات
☆ شاعری میں خسرو کی برتری اور کئی ایک کتب کی تکمیل
☆ خسرو کا ''طوطی ہند'' بننا
☆ ملک کافور کی وفات
☆ مبارک شاہ خلجی کا دور حکومت اور خسرو کو سونے کا انعام...... ہاتھی کی وزن کے مساوی سونے کا انعام
☆ خلجی دور حکومت کا خاتمہ
☆ ریاست اور درویشوں کے درمیان خسرو بطور ایک پل

◆ ...... ◆

یہ ایک بالکل نئے دور کا آغاز تھا...... انتظامی ڈھانچہ بھی نیا تھا اور شہنشاہوں کی بھی ایک نئی کھیپ تھی کیونکہ کیک باد کی وفات کے بعد جلال الدین خلجی نے اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور یہ خلجی خاندان کی حکمرانی کا آغاز تھا اور جلال الدین اس خاندان کی حکومت کا

بانی تھا۔

جلال الدین نے یہ وعدہ کیا کہ وہ ماضی کی بدعنوانی اور غلط کاریوں کا خاتمہ کرے گا اور سب کو ایک بہتر زندگی سے نوازے گا، لیکن اس کی عمر اور نرم طبیعت آڑے آرہی تھی۔ اس کی عمر 70 برس تھی لیکن وہ مضبوط قوت ارادی کا حامل تھا۔ تاہم شاہی محافظوں اور مشیروں کی اکثریت مشکوک تھی اور تذبذب کا شکار تھی کیونکہ شہنشاہ حقیقت میں نرم دل اور نرم فطرت کا مالک تھا اور یہ سب کچھ اس کے نظم ونسق اور فیصلوں کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ وہ لوگ ایک سخت گیر حکمران چاہتے تھے۔

دوسری جانب امیر خسرو خوش تھے کہ وہ نئے شہنشاہوں کے منظور نظر بن چکے تھے۔ وہ بھی شاعری کی جانب رجحان رکھتے تھے اور ماہرین تعلیم سے محبت کرتے تھے اور ان کو داد وتحسین پیش کرتے تھے۔ وہ ادبی لکھاریوں اور شاعروں کے بھی قدردان تھے اور وہ اپنے اردگرد ایسے ہی لوگوں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ جلال الدین نے خسرو کو شاہی خلقت عطا کی تھی...... دربار میں ایک خصوصی نشست عطا کی تھی اور شاہی قابل عزت واحترام نام عطا کیا تھا...... یہ نام ''امیر'' تھا اور خسرو کو ایک انتظامی عہدہ بھی عطا کیا گیا تھا۔ یہ منصب دار کا عہدہ تھا۔

''ہر جانب مے نوشی ہوتی تھی۔ خسرو کی موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے علاوہ ان کی رومانوی شاعری (غزلوں) سے بھی لطف اندوز ہوا جاتا تھا اور خوبصورت نوجوان خواتین ان غزلوں کو اپنی خوبصورت آواز میں گلوکاری کرتے ہوئے پیش کرتی تھیں اور خوبصورت خواتین ان غزلوں پر رقص بھی پیش کرتی تھیں اور شاہی خادمائیں شراب کے خالی گلاسوں کو شراب سے بھرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ شہنشاہ کے تفریحی پروگراموں کے روح رواں خسرو تھے اور وہ اس تفریحی پروگرام کے ہیرو اور مرکزی کردار تھے۔''

> ''خسرو 38 برس کی عمر کے سنہری دور میں تھے۔ محل میں ان کا عزت و احترام اور مرتبہ اپنے نقطۂ عروج پر تھا...... ان کا وظیفہ...... ان کا رتبہ اور مرتبہ...... ان کا خصوصی لباس...... یہ سب کچھ خصوصی نوعیت کا حامل تھا۔ ان کی خصوصی نشست شہنشاہ کے قریب واقع تھی اور یہ سب کچھ خسرو کی توقعات سے کہیں بڑھ کر تھا۔''

یہ وہ حوالے ہیں جو اس دور کے تاریخ دان جناب ضیاء الدین برنی نے پیش کیے تھے۔

لیکن جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے...... جلال الدین اپنی فطرت کی وجہ سے شکست کھا چکا تھا...... چھ برس پر محیط پُر امن دور حکومت کے بعد اس کی رحم دلی اور نرم فطرت اور طبیعت نے اسے کسی پر بد اعتمادی یا بدگمانی نہ سکھائی تھی۔ جب بھی اس سے کوئی کچھ کہتا یا اسے کچھ بتاتا تو وہ اس پر عمل نہ کرتا تھا اور وہ ہمیشہ معاف کر دیتا اور لوگوں کے قصور فراموش کر دیتا تھا اور اس طرح بہت سے سازشی اور غدار کیفر کردار تک نہ پہنچ سکے تھے۔ ایک مرتبہ اس کے ایک قابل اعتماد محافظ نے اسے بتایا کہ اس کا داماد شہنشاہ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا...... شہنشاہ نے یہ کہتے ہوئے یقین کرنے سے معذوری ظاہر کی کہ:۔

> ''وہ میرا بھتیجا ہے۔ وہ میرا داماد بھی ہے۔ وہ میرے لئے قابل اعتماد ہے۔ وہ میرے خلاف کیسے سازش تیار کر سکتا ہے۔''

اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جلال الدین اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اسے علاؤالدین کے کچھ ایجنٹوں نے ہلاک کر دیا تھا جو جلال الدین کا بھتیجا اور داماد تھا اور اسے دو بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کیا تھا جو آج کل ہندوستان میں راجستھان اور گجرات کے علاقے کہلاتے ہیں۔

لہذا وارث کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور ملک ایک مرتبہ پھر ابتری کا شکار نظر آنے لگا۔ شہنشاہ کی ہلاکت پر ہر کوئی پریشان تھا کیونکہ یہ ہلاکت غداری کی بنا پر منظر عام پر آئی تھی بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ چھ برس پُر امن حالت میں گزرے تھے...... لیکن علاؤالدین خلجی نے ہر ایک پر سونے کے سکے اور اعزازت اور تحائف کی بارش کر دی تھی۔ اس نے اعلیٰ عہدہ داروں کو اپنا ممنون کر لیا تھا اور زیر بار احسان کر لیا تھا۔ لہذا اس نے بآسانی تخت شاہی تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ وہ فاتحانہ انداز میں دہلی میں داخل ہو چکا تھا اور اس نے نیا شہنشاہ

بننے کا اعلان کر دیا تھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے خسرو نے کسی بھی غم و غصے کی علامت کا اظہار نہ کیا تھا اور اس قسم کی شاعری کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ عین ممکن ہے کہ اس دور میں وہ اپنے آپ کو محفوظ تصور نہ کرتے ہوں۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ چاہتے ہوں کہ یہ گرد اپنے آپ بیٹھ جائے، لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ خسرو نے کیوں اپنے آپ کو خاموش رکھا؟

خسرو کے خاموش رہنے کی جو بھی وجہ ہو...... طوائف الملوکی اور بد نظمی کے اس دور میں خسرو کیوں خاموش رہے...... وہ ایک شاندار سرپرست سے محروم ہو چکے تھے۔ خسرو نے جلال الدین کی تعریف و توصیف میں بہت زیادہ مواد تحریر کیا تھا۔ امیر خسرو کے کچھ قصیدوں کی مثال پیش کی گئی ہے جو انہوں نے جلال الدین کی شان میں تحریر کئے تھے:۔

''جلال الدین وہ شہنشاہ ہے جب وہ تخت نشین ہوتا ہے تب آسمان سات جنتوں کی جانب قدم بڑھاتا ہے''۔

''جب وہ منہ سے کوئی کلمہ ادا کرتا ہے...... وہ کلمہ مشرق تا مغرب رسائی حاصل کرتا ہے اور اس میں محبت اور امن کا پیغام پنہاں ہوتا ہے''۔

''جب اس کی فوج زمین پر پیش قدمی کرتی ہے...... اس کے قدموں کی چاپ سے اٹھنے والی گرد آسمان پر چاند کو ڈھانپ دیتی ہے''۔

''خدا اس شہنشاہ کو دراز عمر عطا کرے جو زمانے کو محبت اور امن مہیا کرتا ہے''۔

ایک اور نظم میں خسرو نے شہنشاہ جلال الدین خلجی سے کہا تھا کہ:۔

''میری شاعری آپ کی تعریف کے سائے تلے چمک رہی ہے''۔

مجھے آپ کی تعریف و توصیف سرانجام دینے کے لئے مناسب الفاظ میسر نہیں ہیں۔

''آپ کی تعریف و توصیف کے لئے میں جو الفاظ بیان کرتا ہوں وہ سویٹ ڈش کا روپ دھار لیتے ہیں''۔

''میں آپ کی تعریف کا بھوکا ہوں''۔

''میری شاعری آپ کی تعریف سرانجام دینے سے قاصر ہے۔ جس طرح چارکول موتیوں کے نیکلس کے ساتھ میچ کرنے سے قاصر ہے''۔

"میں خدا سے دعا گو ہوں کہ آپ کی سلطنت تا قیامت قائم رہے"۔

ایک مہربان دل کے حامل شہنشاہ کی شان میں یہ مہربان الفاظ کہنے کے بعد...... ایک ایسا شہنشاہ جوان کے ساتھ فیاضی کا مظاہرہ بھی کرتا ہو...... خسرو اسے دھوکا نہیں دے سکتا تھا اور خسرو ان وجوہات کی بنا پر خاموش رہا تھا جن وجوہات کو ہم اگلے صفحات پر بکھرا ہوا دیکھیں گے۔

جلال الدین کی غداری پر مبنی ہلاکت کے بعد...... اس کے داماد علاؤالدین خلجی نے اپنے شہنشاہ بننے کا اعلان کیا اور اس کے اس اعلان سے کوئی گڑ بڑ اور جھگڑا منظر عام پر نہ آیا۔

علاؤالدین کے دور اقتدار کے اولین تین برس ماسوائے وقت ضائع کرنے کے کچھ بھی نہ تھے اور ملک کی بدمزگی اور عوام کی بدمزگی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس کے مبہم افکار اور مبہم منصوبے...... اس کی فضول خرچی اور اسراف بے جا پر مبنی پارٹیاں...... طعام...... اور خواتین پروری اور خواتین کے دل جیتنے کی کاوش نے اسے ذمہ داریوں سے بے نیاز بنا دیا تھا۔ اس کی سرحدیں غیر محفوظ بن رہی تھیں اور مقامی بغاوتیں بھی سر اٹھا رہی تھیں۔ اس کی فوج ابتری کا شکار ہو رہی تھی اور اس کا مکمل ازالہ وہم کا طلبگار تھا جہاں پر وہ بذات خود اس امر کا طلب گار تھا کہ تاریخ اسے یاد رکھے اور اسے ہندوستان برصغیر کے ایک عظیم ترین شہنشاہ کے طور پر یاد رکھے۔ ایک لمحے وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانند بننا چاہتا تھا اور ایک لمحے وہ اسکندر اعظم بننا چاہتا تھا اور تمام تر دنیا فتح کرنے کا خواب دیکھنا چاہتا تھا۔

اس نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ مساجد میں جمعہ کے خطبوں کے دوران اس کا نام پڑھا جائے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی بجائے اس کا نام پڑھا جائے۔ سکوں پر بھی اس کے نام کی کھدائی کی گئی تھی اور وہ سکندر اعظم ثانی بن بیٹھا تھا۔

وہ اس لحاظ سے انتہائی خوش قسمت واقع ہوا تھا کہ اسے ایک مضبوط معیشت ورثے میں ملی تھی...... اسے ایک صحت مند خزانہ ورثے میں ملا تھا اور ایک مضبوط فوج بھی ورثے میں ملی تھی۔ اس کے احمقانہ منصوبے اور آئیڈیاز خواہ کچھ ہی کیوں نہ تھے...... وہ سب کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہا تھا جو سب کچھ وہ حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی فوج جنگیں جیت رہی تھی۔ اس کی آمدنی میں زراعت کی بدولت خاطر خواہ اضافہ ہو رہا تھا اور وہ ان لوگوں کو لاتعداد گھوڑوں اور ہاتھوں کے علاوہ بڑی بڑی جاگیروں سے نواز رہا تھا جو اس کے لئے

اس کے ہمسایہ میں واقع چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو فتح کر رہے تھے۔ وہ نہ صرف ایک جاہل حکمران تھا بلکہ ایک انا پرست حکمران بھی تھا۔ اسے کسی کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ ایک غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ حکمران تھا اور وہ ہمیشہ دانش وروں پر اپنی حماقتیں مسلط کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ متفکرین اور خسرو جیسے شاعروں کو بھی اپنی حماقت کے سائے میں مقید کرنا چاہتا تھا اور ان کو قید خانے جانے کا خوف دامن گیر رہتا تھا اور وہ قید خانوں میں جانے سے بچنے کے لئے اس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور تھے۔ وہ بذات خود منصف تھا اور بذات خود تفتیش کنندہ بھی تھا۔ اس کے دربار میں خوف و ہراس کے بال چھائے رہتے تھے اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ باآواز بلند بات کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرتے تھے۔

وہ انگلستان کے شاہ ہنری VIII کی مانند تھا جس کی بہت سی بیویاں تھیں اور جس کے ہاں ہر برس تین یا چار بچے جنم لیتے تھے اور اسے اس غریب رعایا کی کوئی فکر نہ تھی جو امراء کے ہاتھوں میں غلام بنے ہوئے تھے۔ کوئی سماجی ڈھانچہ موجود نہ تھا—— ماحولیاتی ترقی کے بھی کوئی پروگرام نہ تھے۔ کوئی تعلیمی ادارہ موجود نہ تھا—— خواتین کے کوئی حقوق نہ تھے اور نہ ہی شہری حقوق موجود تھے۔ امیر خسرو جیسے لوگ جنہیں جلال الدین کے دور میں وسیع تر مراعات حاصل تھیں—— ایسے لوگوں کو اب گھنٹوں اس مغرور شہنشاہ کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا تھا کیونکہ وہ ایسے لوگوں کا قدر دان نہ تھا۔

اچانک حالات بگڑ گئے۔ خزانہ خالی ہو چکا تھا—— حاسد اور دشمن لوگ بھی پر پرزے نکال رہے تھے اور معیشت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ خسرو اور دیگر شاعر بھی اپنا رتبہ اور مرتبہ کھو چکے تھے اور ان کے وظائف اور مراعات بھی اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھیں اور خسرو کے لئے بھی روزمرہ زندگی کی ضروریات کی کفالت سرانجام دینا بہت مشکل ہو چکا تھا۔

بالآخر اچھا وقت بھی آن پہنچا اور شہنشاہ علاؤالدین تخت نشین تھا۔ پارٹیوں کی رونقیں دوبارہ بحال ہوئیں۔ شہنشاہ کے مداح اسے گھیرے رکھتے تھے۔ کھانا پینا—— مے نوشی—— گلوکاری اور رقص و سرور کی محفلیں ایک مرتبہ پھر اپنے جوبن پر تھیں اور شہنشاہ نے شاعروں کی جانب رجوع کیا اور وہ کوئی نئی چیز سننے کا مشتاق تھا۔ حسن سنجری—— شمس الدین دبیر—— امیر خسرو اور بہت سے مشہور شاعر اور متفکرین وہاں موجود تھے اور ان کے ہمراہ ضیاء الدین برنی

بھی موجود تھا۔ وہ فیروز شاہی تاریخ کا تاریخ دان تھا۔

ہر ایک شاعر نے اپنی اپنی شاعری پیش کی اور باری باری انہوں نے شہنشاہ کو خوش کرنے کی کوشش کی اور انہوں نے اپنا اپنا دلکش اسٹائل اپنایا، لیکن بادشاہ کا موڈ کسی طور پر بحال نہ ہو سکا۔

اس کے بعد شہنشاہ کی نظر امیر خسرو پر پڑی۔ وہ ایک کونے میں کھڑے تھے۔ جیسا کہ ہشت بہشت میں تحریر ہے اور جناب برنی...... تاریخ دان نے بھی حوالہ پیش کیا ہے...... اور جناب شبلی نعمانی نے بھی تذکرہ کیا ہے...... امیر خسرو نے اپنا کلام پیش کیا یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے شہنشاہ کے اعزاز اور تعریف و توصیف میں ایک قصیدہ پڑھا جس کا ترجمہ کچھ یوں پیش کیا جا سکتا ہے:۔

☆ عالی جاہ! آپ دوسرے جمشید ہیں (جمشید فارسی حکمران تھا جو فارسی عقیدے کے مطابق لافانی اور ہمیشہ قائم رہنے والا تھا) جس کا تاج آسمان تھا اور سورج شاہی مور تھا۔

☆ آپ کی سلطنت کے سائے میں ہر چیز وجود پذیر ہے۔

☆ آسمان پر چمکتا ہوا چاند آپ کی داستان بیان کر رہا ہے۔

☆ آپ ایک ایسے شہنشاہ ہیں جو تخت عطا کر سکتا ہے اور تاج چھین سکتا ہے اور جس کے ٹیکس کا نظام مشرق تا مغرب پھیلا ہوا ہے۔

☆ زمین پر آپ کا جھنڈا آسمان کی وسعتوں کو چھوتا ہے۔

خسرو کی نظم سے بادشاہ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ بادشاہ کی توجہ اپنی جانب مرکوز کروانے میں کامیاب ہوئے تا کہ وہ اس شاعری کو بغور سن سکے جو خسرو نے اس کے بعد پیش کرنی تھی۔

اس کے بعد اپنی ایک نظم کے ذریعے خسرو بادشاہ سے کچھ یوں مخاطب ہوئے جس کا ترجمہ کچھ یوں پیش کیا جا سکتا ہے:۔

☆ عالی جاہ! خدا نے آپ کو ایک ایسی سلطنت کے تخت کی نعمت سے نوازا ہے جو آسمان تا زمین پھیلی ہوئی ہے۔

☆ لہذا اسے آسمان تا زمین خود کفیل بنانے کی کوشش سرانجام دیں۔

- ☆ تمام رعایا کے ساتھ انصاف کریں اور مجرموں کو سزائیں دیں۔
- ☆ معاشرے کی برائیوں کا خاتمہ کریں اور پارسائی پھیلائیں۔
- ☆ اگر آپ ہاتھیوں کو خوراک فراہم کرتے ہیں...... چھوٹے کیڑوں کوڑوں کو ہرگز نظر انداز نہ کریں۔
- ☆ اپنی خاص خیر خواہی کے تحت اپنی دنیا اور اپنی سلطنت کو خوش وخرم رکھیں تا کہ خدا بھی آپ سے راضی اور خوش ہو سکے۔
- ☆ اور جب آپ اپنے قریبی اور اپنے پیارے کو نوازیں
- ☆ اس بھوکے کو مت بھولیں جو اپنی راتیں بغیر بستر کھلے آسمان تلے بسر کرنے پر مجبور ہے۔

اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان دنوں ایک منصف کی عدالت میں کھڑے ہو کر اس پر تنقید کرنا:۔

> ''عزت مآب...... آپ غلط ہیں یا جج سے یہ کہنا کہ تمہیں یہ کرنا چاہیے یا وہ کرنا چاہیے یا یہ نہیں کرنا چاہیے اور وہ نہیں کرنا چاہیے''۔

کیونکہ ایسے شخص کو توہین عدالت میں جیل بھیجا جا سکتا ہے۔

لیکن خسرو نے اس سے بھی بدتر کام سرانجام دیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے جرأت اور بے باکی کا مظاہرہ کیا تھا...... لیکن انہوں نے ایک شہنشاہ کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا اور اس کے ساتھ محاذ آرائی سرانجام دی تھی اور شہنشاہ بھی وحشی...... غیر تعلیم یافتہ...... مغرور اور احمق جو پہلے ہی محض اس وجہ سے خسرو سے نفرت کرتا تھا کہ انہیں سابق شہنشاہ جلال الدین کے دربار میں عزت واحترام اور رتبہ اور مرتبہ حاصل تھا۔ خسرو نتائج سے واقف تھے لیکن وہ اپنے اندرونی آتش فشاں پہاڑ کو کنٹرول نہ کر سکے تھے جو کہ چند برسوں سے اندر ہی اندر پرورش پا رہا تھا۔

شہنشاہ جو بدقت یہ سب کچھ سن رہا تھا...... اس کے دل کی دھڑکن کی رفتار تیز ہو چکی تھی...... وہ انتہائی بے صبرا ہو چکا تھا اور جونہی خسرو اپنی نظم مکمل کرنے کے قریب تھے شہنشاہ غصے کے ساتھ چلایا:۔

> ''بس! ختم کرو...... بہت ہو چکا ہے۔ مزید حماقت کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

اور حکم دیا کہ خسرو کو گرفتار کر لیا جائے۔

شہنشاہ چلایا کہ:۔

"تخلیہ"

اور اس حکم کے ساتھ ہی شاہی سامعین اور محل کے محافظ وہاں سے چلے گئے۔

خسرو کو قید خانے میں لے جایا گیا۔ شہنشاہ کو ان پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا اور وہ اب بھی غصے کے زیر اثر سوچ رہا تھا کہ:۔

"کیوں؟ آخر کیوں؟"

کئی روز تک خسرو قید خانے میں رہے۔ ایسا واقعہ اس سے قبل ان کی زندگی میں کبھی پیش نہ آیا تھا اور وہ کسی قدر پچھتا بھی رہے تھے۔ دوسری جانب شہنشاہ غصے سے کھول رہا تھا کیونکہ یہ سب کچھ روایات کے خلاف ہوا تھا اور یہ سب کچھ شاہی آداب کے بھی خلاف تھا اور بالخصوص ایسے شہنشاہ کے سامنے زبان کھولنا جس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ قانون کا درجہ رکھتے تھے اور جس کے سامنے کوئی بھی شخص زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

شہنشاہ یہ سوچ رہا تھا کہ خسرو کو کس طرح قرار واقعی سبق سکھایا جائے اور اسے اس کے منہ پھٹ اور بے باک ہونے کی کیا سزا دی جائے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ خسرو محل کے اندر اور باہر کس قدر مقبول تھے۔ وہ خسرو کے نانا عماد الملک کا بھی کسی قدر احترام کرتا تھا اور سب سے بڑھ کر اسے طاقتور جنگجو حاتم خان کا خدشہ لاحق تھا جس کے ساتھ خسرو کے بہترین تعلقات استوار تھے اور وہ ان دونوں کے نزدیکی تعلقات سے بھی خائف تھا۔

لہذا علاؤالدین خلجی خسرو کی فوری ہلاکت کے احکامات صادر نہ کر سکا۔ اس نے انہیں ہلاک کرنے کی بجائے قید میں رکھنا زیادہ مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ کچھ دنوں تک خسرو کو قید خانے میں رکھا جائے اور اس دوران اپنے ذہن کو تیار کیا جائے کہ خسرو کے ساتھ کیا کرنا ہے…… کیونکہ خسرو نے جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ اسے اس طرح جھٹکے لگا رہا تھا جیسے بجلی کا کرنٹ جھٹکے لگاتا ہے اور وہ سوچ بچار کرنے پر مجبور تھا کہ خسرو کو کیا سزا دی جائے۔ وہ غیر استدلالی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا اگرچہ وہ انتہائی طیش کے عالم میں تھا۔ اس نے خسرو کو شاہی عہدے سے بھی برخاست کر دیا تھا اور ان کا وظیفہ بھی فوری طور پر بند کر دیا تھا اگرچہ خسرو اس کے دور کے ایک مایہ ناز شاعر تھے۔

امیر خسرو منصب دار کے عہدے پر فائز تھے (ایک بہت زیادہ تنخواہ کا حامل انتظامی

عہدہ) وہ جلال الدین کے عہد میں اس عہدے پر فائز تھے، لیکن اب وہ اپنا وقار...... اپنی عزت...... اپنا احترام کھو چکے تھے۔ انہیں تمام دن شہنشاہ کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا تھا جو کہ ایک ناقابل برداشت توہین تھی بالخصوص ایسے شخص کے لئے یہ ایک ناقابل برداشت توہین تھی جو ماضی میں ایک پُروقار زندگی گزار چکا تھا اس نے گلیوں بازاروں سے لے کر شاہی محلوں تک پُروقار زندگی گزاری تھی۔ تاہم خسرو نے اپنے مصائب کے علاوہ ان لوگوں کے مصائب کا بھی تذکرہ کیا تھا جن کی اپنی کوئی آواز نہ تھی...... جن کی کوئی رسائی نہ تھی...... جن کے ساتھ انصاف نہ کیا جاتا تھا...... جن کے پاس ضروریات زندگی موجود نہ تھی...... جن کے کوئی حقوق نہ تھے...... جن کے پاس سر چھپانے کی مناسب جگہ نہ تھی اور جنہیں غلاموں کی مانند کام کرنا پڑتا تھا جبکہ شاہی خزانے کو مے نوشی...... رقص و سرور...... اور عورتوں پر خرچ کرنے کے علاوہ تقریبات میں فضول خرچی اسراف بے جا پر خرچ کیا جارہا تھا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ علاؤالدین اچانک تبدیل ہو چکا تھا جیسے اس کے ساتھ کوئی معجزہ رونما ہو چکا تھا۔ وہ اچانک شرافت کے پیکر میں ڈھل گیا تھا اور اس نے اپنے اردگرد کی دنیا کو بھی تبدیل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے اپنے ملک کے لئے سماجی اور معاشی پروگراموں کا آغاز بھی کر دیا تھا اور اپنی رعایا کی بہتری کے لئے جدوجہد سرانجام دینے میں مصروف ہو گیا تھا اور وہ اپنے اس احمقانہ خیال سے دست بردار ہو چکا تھا جس کے تحت وہ تمام دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا اور اسکندراعظم ثانی بننے کے خواب دیکھ رہا تھا اور ایک نیا مذہب دریافت کرنے کا خواہاں تھا جیسا کہ ضیاء الدین برنی (ایک تاریخ دان) نے حوالہ پیش کیا تھا...... لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی منطقی ذہن اس قسم کے حوالے کو قبول کر سکتا ہے۔ میں نے کبھی کسی ایسے سیاہ دل شخص کے بارے میں نہیں سنا جو ایک گندی فطرت کا حامل ہو اور ایک رات اسی حالت میں سویا ہو لیکن اگلی صبح مکمل تبدیل شدہ حالت کے تحت بیدار ہوا ہو۔

میرا یہ خیال ہے بلکہ مکمل یقین ہے کہ یہ امیر خسرو تھے جنہوں نے شہنشاہ کو راہ راست پر لانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ خسرو کی بے باکی اور محاذ آرائی تھی جس کے چشمے ان کی روح سے پھوٹ رہے تھے جو بجلی کے جھٹکے کا کام کر رہے تھے اور شہنشاہ کو مجبور کر رہے تھے کہ خسرو نے جو کچھ کہا تھا وہ اس پر یقین کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک اور مفکر قاضی کو طلب کیا جن کا تعلق ایک دوسرے شہر سے تھا اور ان کے ساتھ تمام معاملے پر بحث

سرسرانجام دی۔

ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ علاؤالدین کو اللہ کے کسی برگزیدہ بندے یا درویش نے یہ نصیحت کی کہ وہ اپنا وقت ضائع کرنا ختم کر دے۔ اور اپنی انا کے تعاقب میں صرف کی جانے والی دولت اور توانائی خرچ کرنا بند کر دے...... وہ اسکندر اعظم ثانی بننے کا خواب بھی دل سے نکال دے۔ اسے یہ بھی نصیحت کی گئی تھی کہ وہ منگولوں کے خطرے کے پیش نظر اپنی سرحدوں کو محفوظ بنائے اور یہ خطرہ ملتان اور لاہور کے سر پر منڈلا رہا تھا اور اپنی رعایا کے دل جیتنے کی کوشش کرنے اور یہی ایک صورت ہے جس کے تحت تاریخ اسے ایک عظیم شہنشاہ قرار دے سکتی ہے۔

اگر یہ حقیقت ہے تب بھی میں نہیں جانتا کہ اللہ کا وہ برگزیدہ بندہ یا درویش کون تھا جس نے شہنشاہ کو نصیحت کی تھی؟ امیر خسرو کی سوانح حیات تحریر کرنے والے جانے پہچانے افراد نے اس قسم کے کسی شخص کے نام کا ذکر نہیں کیا جن کی نصیحت نے علاؤالدین کو ایک شریف النفس انسان میں بدل دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے اور یہ ایک منطقی اور تاریخی امر بھی ہے کہ علاؤالدین کے دور میں اللہ کا واحد برگزیدہ بندہ اور درویش حضرت نظام الدین اولیاؒ تھے۔ وہ علاؤالدین کو اس کی کرتوتوں کی وجہ سے قطعاً پسند نہ کرتے تھے کیونکہ اس کی حرکتیں اسلام اور مسلمانوں کے آداب کے خلاف تھیں۔ تاریخ میں ایسی کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی جس کے تحت حضرت نظام الدین اولیاؒ علاؤالدین کے پاس تشریف لائے تھے یا علاؤالدین نے بذات خود ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا تھا۔

ہم ایک علیحدہ باب میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کا ذکر خیر کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

میں اس مقام پر یہ تذکرہ کرنا پسند کروں گا کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ وہی بزرگ تھے جن کے پاس امیر خسرو کے والد (کچھ لوگ ان کے دادا کا نام لیتے ہیں) امیر خسرو کو اس وقت ایک کمبل میں لپیٹ کر لے گئے تھے جبکہ امیر خسرو کی عمر ابھی محض چند دن تھی اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ امیر خسرو کے بہی خواہ بن چکے تھے اور امیر خسرو ان کے انتہائی قریب رہے تھے۔

ان تاریخی حقائق کے پیش نظر...... اگرچہ ان کے حوالے درست نہیں ہیں...... میں

اس نکتہ نظر کا حامل ہوں کہ وہ ہستی امیر خسرو کی ہستی تھی جنہوں نے اپنی محاذ آرائی کی بدولت علاؤالدین کو ایک شریف النفس پیکر میں ڈھالا تھا اور ان کی محاذ آرائی میں کسی قسم کے خون خرابے اور تشدد کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہ غالباً حضرت نظام الدین اولیاؒ کا اثر و رسوخ اور ان کی تعلیمات کا جادو تھا جس نے امیر خسرو کو جرأت اور حوصلہ عطا کیا تھا، اور یہ خسرو ہی تھے جنہوں نے ان فضول خرچیوں اور عیاشیوں کے خلاف آواز بلند کی تھی جو شاہی دربار کا شیوہ تھیں اور ایک احمق شہنشاہ کا وطیرہ تھیں جو خسرو کے مذہب اور انسانیت کی توہین کر رہا تھا اور اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو بھی فراموش کر چکا تھا اور اپنی سلطنت اور اپنی رعایا کی خیر خواہی کو بھی فراموش کر چکا تھا۔ لہٰذا درج بالا صورت حاصل کے تحت اور آج کی دنیا کو جو حقائق دستیاب ہیں ان کے پیش نظر درج ذیل حقائق سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔

1۔ خسرو منصب دار کے پُر وقار عہدے سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

2۔ ان کی حیثیت محل کے محض ایک شاعر کی رہ چکی تھی جس کا کام شاہی افراد کو تفریح مہیا کرنا تھا۔

3۔ خسرو اپنی آمدنی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تھے کیونکہ ان کا وظیفہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

4۔ خسرو محل میں اپنی نشست سے بھی محروم ہو چکے تھے اور اب ان کو کھڑا ہونا پڑتا تھا اور وہ تمام دن کھڑے رہتے تھے اور درباریوں کو مہ نوشی کرتے ہوئے اور رقص و سرور کی محفلیں سجاتے ہوئے دیکھتے رہتے تھے۔

5۔ خسرو کو علاؤالدین کے دور حکومت کے اولین تین برسوں کے دوران تذلیل برداشت کرنی پڑی تھی اور اس کی وجہ ان کے سابق شہنشاہ جلال الدین کے ساتھ بہتر مراسم تھی۔

میں درج بالا روایات پر یقین نہیں رکھتا۔

1۔ یہ کہ علاؤالدین اچانک تبدیلی سے ہمکنار ہوا تھا اور وہ ایک شریف النفس انسان بن گیا اور یہ کہ اس عمل میں کسی جادو یا کسی درویشی معجزے کا اثر کارفرما تھا۔

2۔ یہ کہ علاؤالدین کو کسی برگزیدہ ہستی نے نصیحت کی تھی کہ وہ اپنا وقت...... اپنی دولت...... اپنی توانائی ضائع کرنا بند کر دے اور اپنے احمقانہ خیالات کے پیچھے بھاگنا بند کر دے بلکہ اپنی سرحدوں کو محفوظ بنائے اور اپنی عوام کی معاشی اور

معاشرتی حالت کو بہتر بنائے۔

3۔ اور یہ کہ شہنشاہ نے اپنے مشیروں کی بات سنی اور اچانک اپنے طور طریقے تبدیل کر لئے۔

میرے خیال میں یہ امیر خسرو کے علاوہ اور کوئی ہستی نہ تھی جنہوں نے شہنشاہ کے ساتھ محاذ آرائی سرانجام دی اور ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوئے جو کہ نہ صرف شہنشاہ تھا بلکہ منصف تھا...... جیوری بھی تھا...... اور تفتیش کنندہ بھی تھا۔ ایک ہی شخص کے ہاتھ میں یہ تمام عہدے مرکوز تھے۔ مجھے یقین ہے اور درج بالا تاریخی حقائق بھی گواہ ہیں کہ 1298ء میں امیر خسرو نے علاؤالدین کے ساتھ محاذ آرائی سرانجام دی اور ان سوالات اور تشویش کو منظر عام پر لائے جو کہ ان کے ضمیر کو جھنجوڑ رہی تھی۔ انہوں نے یہ سب کچھ کسی احتجاج یا تشدد کی عدم موجودگی میں سرانجام دیا تھا بلکہ اپنی مٹھاس بھری شاعری کے توسط سے سرانجام دیا تھا۔

خسرو نے اپنی شاعری میں اپنے دل...... دماغ...... اور روح کے خیالات سمو دیئے تھے۔ ان کی شاعری کے الفاظ سفارتی آداب کے حامل تھے لیکن اس کا اسٹائل جارحانہ تھا۔

خسرو واضح انداز میں شہنشاہ سے دریافت کر رہے تھے کہ:۔

☆ آپ ایک بہت بڑی سلطنت کے شہنشاہ ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے کندھوں پر عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔

☆ آپ امیروں کو امیر تر بنا رہے ہیں اور حقیقی بھوکوں کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔

☆ اعلیٰ عہدیداروں اور طاقت وروں کو دیہاتوں، جاگیروں اور ہزاروں ایکڑ اراضی سے نوازا جا رہا ہے لیکن غریب کسانوں اور مزدوروں کے لئے آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

☆ فاتح کمانڈروں کو سینکڑوں گھوڑے اور ہاتھی انعام کے طور پر پیش کیے جائے رہے ہیں جبکہ غریبوں کے پاس سواری کے لئے گدھا تک موجود نہیں ہے۔

☆ کیا آپ جانتے ہیں کہ غریبوں کے لئے سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ہے اور وہ کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جبکہ آپ کے قریبی عزیز اور رشتہ دار اور آپ کے پیارے زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور پارٹیوں پر بے دریغ رقوم خرچ کر رہے ہیں؟

☆ کیا آپ جانتے ہیں کہ کتنے لوگ بطور غلام جنم لیتے ہیں اور انہیں اونے پونے داموں پر فروخت کر دیا جاتا ہے جبکہ آپ خزانہ خالی کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟

☆ کیا آپ نے کبھی مجبور خواتین کی چیخوں کی آواز سنی ہے...... کسی بدقسمت یا معذور کی چیخوں کی آواز سنی ہے؟

یہ محض امیر خسرو کی آواز نہ تھی بلکہ یہ انسانیت کی آواز تھی جو مساوات اور انصاف کے لئے دہائی دے رہی تھی۔ وہ لوگوں کی آواز تھی...... رعایا کی آواز تھی اور لوگوں کی آواز خدا کی آواز ہے جو امیر خسرو کے ذریعہ شہنشاہ کے ایوانوں میں گونجی تھی اور اس نے علاؤالدین پر جادو یا بجلی کے جھٹکوں کا کام کیا تھا۔

لہٰذا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ نیلسن منڈیلا اور مارٹن لتھر کنگ جو کچھ جدید دور میں کرتے رہے تھے...... ہمارے امیر خسرو نے وہ سب کچھ سات صد برس قبل سرانجام دیا تھا...... اور انہوں نے یہ سب کچھ اپنے قلم کے زور پر سرانجام دیا تھا۔ انہوں نے کوئی سیاسی جماعت نہ بنائی تھی اور نہ ہی احتجاجی جلسے اور جلوس لگائے تھے۔

لہٰذا امیر خسرو پہلی عوامی آواز تھے...... اور یہ آواز عوام کے لئے تھی اور وہ 12ویں صدی کے ہندوستانی برصغیر کے نیلسن منڈیلا تھے۔

بیانہ (Biyana) کے قاضی کی مداخلت پر اگرچہ امیر خسرو کو قید سے رہائی نصیب ہوئی تھی لیکن ان کو محل کی خدمات سے بھی سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ شہنشاہ نے بیانہ کے قاضی کو اپنا ایگزیکٹو مقرر کیا تھا کہ وہ سماجی اور معاشی میدان میں ترقی کی اس کی نئی حکمت عملیوں کی تکمیل سرانجام دے۔ اس نے اعلیٰ کمان میں بھی کئی ایک تبدیلیاں سرانجام دیں اور سرحدوں کو بھی محفوظ بنانے کے اقدامات سرانجام دیے بالخصوص ملتان اور لاہور کی سرحدوں کو محفوظ بنایا گیا۔

نئی اصلاحات متعارف کروائی گئیں۔ پیداوار میں اضافے کے حصول کی جانب توجہ دی گئی۔ اراضی کی اصلاحات سرانجام دی گئیں اور بہتر نظام آبپاشی متعارف کروایا گیا۔ لیبر کنٹرول اور کام کاج کے تحت اصول اور قوانین مقرر کئے گئے۔ تمام تر دیہات...... جاگیریں اور اراضی جو کسی بھی شخص کو بطور تحفہ دی گئی تھیں...... یہ تحفہ کسی سابق شہنشاہ نے دیا تھا یا موجودہ شہنشاہ نے دیا تھا وہ سب کچھ بحق سرکار ضبط کر لیا گیا اور کسانوں اور ورکروں کو بھی مساوی حقوق سے نوازا گیا بالخصوص کھیتوں میں کام کرنے والی خواتین کو بھی ان کے حقوق سے نوازا

گیا اور ملک میں خوشحالی اور کامیابی کا دور دورہ ہوا۔

سرحدوں کو محفوظ بنایا گیا...... طاقت ور فوج قائم کی گئی اور ملک کی خوشحالی نے غیر ملکی تاجروں کو دعوت دی (ان کا تعلق ایسٹ انڈیز سے تھا...... موجود فلپائن...... تھائی لینڈ...... کوریا...... ویٹ نام...... ملائیشیا اور انڈونیشیا وغیرہ) اور اس کے علاوہ چین...... جاپان...... ایران اور خراساں کے تاجروں نے بھی ہندوستان کا رخ کیا اور اس طرح ہر ایک کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آ گئی۔ ان میں ہندو...... مسلم...... عیسائی...... اور بدھ مت کے پیروکار بھی شامل تھے۔ یہ سب لوگ باہم مل کر ایک ہی ہندوستانی قوم کی مانند زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب ہندوستان سونے کی چڑیا بن چکا تھا...... اور دنیا کی نظروں میں اس کی حیثیت سونے کی ایک چڑیا جیسی تھی اور یہی سب کچھ علاؤالدین چاہتا تھا۔ دوسری جانب ہمارے امیر خسرو...... محل سے سبکدوش ہونے کے بعد...... ان کے پاس کسی قدر فاضل وقت موجود تھا اور یہ وقت انہیں پہلے کبھی دستیاب نہ ہوا تھا۔ اگرچہ ان کا مناسب ذریعہ آمدنی نہ تھا اور وہ تنگی ترشی کے ساتھ گزارا کر رہے تھے لیکن وہ خوش تھے اور مطمئن تھے۔ وہ ہمیشہ حقیقی ہندوستانی زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے ایک عام سطح سے لے کر محل کی سرحدوں تک۔ وہ ہندوستان کے لوگوں کے ہم عصر شاعر اور لکھاری بننے کے خواہاں تھے۔ انہوں نے قدیم ہندوستانی روایات کا مشاہدہ سرانجام دینا شروع کیا۔ انہوں نے گلیوں اور بازاروں میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں...... مارکیٹوں میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں...... کھیتوں میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں...... عبادت گاہوں میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں...... مساجد میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں...... میلوں میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور روزمرہ کی سماجی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہوئے لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ یہ وقت خسرو کے لئے حیران کن وقت تھا وہ اپنی ثقافت کو فروغ بخشنے کے لئے کوشاں تھے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ علاؤالدین کسی بھی شاعر...... لکھاری...... یا مفکر کو پسند نہیں کرتا تھا اور نہ ہی انہیں دادِ تحسین پیش کرتا تھا اگرچہ روایات کے تحت اسے ان لوگوں کو اپنے اردگرد آباد رکھنا چاہئے تھا اور انہیں سالانہ وظیفہ ادا کرنا چاہیے تھا جو اس نے ڈرامائی انداز میں بند کر دیا تھا، اور یہ وجہ تھی کہ یہ لوگ پریشان تھے اور ناخوش تھے...... لیکن محل سے خسرو کی سبکدوشی ان لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لے آئی تھی۔ وہ خسرو کی رہائش

گاہ پر باہم اکٹھے ہوتے تھے اور اپنا خیالات کا تبادلہ کرتے تھے اور اپنی شاعری پیش کرتے تھے اور ایک دوسرے کی شاعری سنتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ دان ضیاء الدین برنی نے ذکر کیا ہے کہ صدر الدین عالی...... فخر الدین قواس...... حمید الدین راجہ...... مولانا عارف عبدالحلیم اور شہاب الدین جیسے لوگ اور ان کے علاوہ خسرو کے دوست حسن سنجری...... نامور شاعر اور مفکرین...... ان تمام لوگوں نے خسرو کی رہائش گاہ پر ملاقات کا اہتمام کیا اور وہ باقاعدگی کے ساتھ آپس میں ملاقات کرتے تھے اور شعر و شاعری کا دور چلتا تھا اور اس طرح 1298ء میں مشاہرہ شاہی محلوں سے نکل کر عام لوگوں میں آیا جو تمام تر کمیونٹی کے لئے تھا۔ وہ حیران کن ادبی اور ثقافتی سرگرمی کا ایک نیا دور تھا جو کہ آج تک بھی مروج ہے اور ایشیائی ثقافت کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے اور تمام تر دنیا کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تقریباً 21 برس تک حکومت کرنے کے بعد 1316ء میں علاؤالدین انتقال کر گیا۔ اگرچہ اس نے اپنے دورِ حکومت کے اولین تین برس فضول امور کی سرانجام دہی میں ضائع کر دیئے تھے لیکن اس کے بقایا دورِ حکومت کے دوران ملک میں خوشحالی کے دروازے کھل چکے تھے اور اس قدر خوشحالی ملک کا مقدر بن چکی تھی کہ ہندوستان سونے کی چڑیا بن چکا تھا۔ اگرچہ سماجی اور معاشی ترقی کے پس منظر میں یہ سب کچھ درست تھا لیکن ادبی میدان میں علاؤالدین جاہل مطلق تھا۔ نہ جانے کیا وجہ تھی کہ اس نے ادبی اور ثقافتی اقدار کی جانب کوئی توجہ نہ دی تھی اگرچہ اس کی سلطنت میں کئی ایک مفکرین...... لکھاری اور شاعر موجود تھے بلکہ اس کے ارد گرد موجود تھے۔

اس مقصد کے لئے بھی ہمارے امیر خسرو نے دوبارہ ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ ایک ایسا کردار جسے تاریخ کبھی فراموش نہ کر پائے گی۔ ہندوستان اور ہندوستانی معاشرے کی خوشحالی اور ترقی کے لئے اہم کردار ادا کرنے کے بعد خسرو نے اپنی تمام تر توانائی اور وقت لکھنے لکھانے اور ہندوستانی ثقافت کو فروغ بخشنے کے لئے مختص کر دیا تھا۔ ادب اور آرٹ کے لئے وقف کر دیا تھا۔

خسرو دبلے...... پتلے...... اسمارٹ...... خوبصورت...... پُر وقار اور ایک عمدہ شخص تھے۔ وہ اکثر باغات...... پارٹیوں...... مارکیٹوں...... دریا کے کنارے...... اور کھیتوں وغیرہ میں چہل قدمی کے لئے جایا کرتے تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کر کے خوش ہوتے

تھے۔ ان ملاقاتوں کے دوران وہ مشاہداتی مواد اکٹھا کرتے تھے اور اس کا استعمال وہ اپنے قلم اور کاغذ پر کرتے تھے۔ انہیں اپنے مالی حالات کی کوئی فکر نہ تھی اور انہوں نے اس دوران بہت سی کتب تحریر کیں۔

خسرو نے پنج گنج مکمل کی جو پانچ مختلف کتب پر مشتمل تھی۔

1۔ مطلع الانوار (Matla-ul-Anwar)
2۔ شرین خسرو (Shreen Khusro)
3۔ آئینِ اسکندری (Acina-e-Skandry)
4۔ لیلیٰ مجنوں (Laila Majnoon)
5۔ ہشت بہشت (Hast-b' Hast)

اس مجموعہ پنج گنج میں 18,000 مصرعے تھے اور اس کو مکمل کرنے میں دو برس صرف ہوئے تھے۔

اس کے بعد ان کی ایک اور کتاب خزائن الفتوح (Khazain-ul-Fatooh) تھی (کچھ لوگ اسے مفتاالفتوح (Miftah-ul-Fatooh) کے نام سے یاد کرتے ہیں)۔ اس کتاب میں خسرو نے علاؤالدین کی بڑی بڑی فتوحات کا تذکرہ پیش کیا تھا اور اس کی بڑی بڑی کامیابیوں کا تذکرہ پیش کیا تھا اور یہ تمام تر تذکرہ ایک طویل نظم کی صورت میں تھا۔ بالفاظِ دیگر یہ ایک منظوم تذکرہ تھا۔ اس میں 4,000 سے زائد مصرعے تھے۔ ان کے الفاظ سادہ اور خوبصورت تھے۔ شاعری کی اصطلاح میں یہ مثنوی کہلاتی تھی۔ اگرچہ یہ کتاب علاؤالدین کے لئے تحریر کی گئی تھی اور علاؤالدین کے بارے میں تھی...... لیکن اس کتاب کے عوض خسرو کو کچھ بھی حاصل وصول نہ ہوا تھا۔

ایک اور کتاب ڈیول...... رانی اور خضر خان (Dewal-Raani & Khyser Khan) تھی اور یہ بھی اسی دور میں مکمل کی گئی تھی۔ اس میں بھی تقریباً 4000 مصرعے تھے۔ اس کتاب میں دو نوجوان محبت کرنے والوں کو احاطہ کیا گیا تھا...... ایک شہزادہ اور اس کی خادمہ جس طرح جیولٹ اور قیصر تھا۔ یہ رومانوی شاعری کا ایک شاہکار تھا اور اس کی لفاظی بے حد خوبصورت تھی اور شاعری کی طرز بھی خوبصورت تھی اور یہ تاریخی حقائق پر بنیاد کرتی تھی۔

ان برسوں کے دوران خسرو نے محض اپنی شاعری کی جانب ہی اپنی توجہ مرکوز نہ رکھی

تھی۔ انہوں نے ایک اور کتاب اعجاز خسروی بھی تحریر کی تھی جو نثر نگاری کا ایک شاہکار تھی۔ یہ ایک بہت بڑی کتاب تھی۔ اس میں لاکھوں نئے الفاظ موجود تھے جو فارسی ...... ترکی ...... عربی الفاظ کا مکسچر تھے اور حقیقی زندگی کو سمجھنے کے لئے آسان تر اور معاون تھے اور اس دور کے ہندوستان کی ثقافت کو سمجھنے میں بھی معاون تھے۔

یہ انتہائی نایاب کتب ہیں اور محض برطانوی عجائب گھر اور لندن کے انڈیا ہاؤس میں دستیاب ہیں۔

خسرو جو:۔

شہنشاہوں بادشاہوں
ملکہ وغیرہ شہزادوں
فطرت فطرتی نظاروں
دریاؤں آبشاروں
مساجد عبادت گاہوں
شمسی تالاب (دہلی کا ایک انتہائی مشہور تالاب)
جنگوں امن

اور دیگر تقریبات کے بارے میں لکھتے تھے ...... وہ یہ سب کچھ اپنی تعریف و توصیف اور داد تحسین پیش کرنے والی شاعری میں پیش کرتے تھے ...... اور یہ قصیدہ کہلاتا تھا ...... وہ ہندوستان کی خوبصورت عورتوں کے بارے میں نہیں لکھتے تھے۔ قصیدوں اور مثنویوں میں خسرو کو اپنے پیش رو لکھاریوں پر فوقیت حاصل تھی اور ان لکھاریوں کا زیادہ تر تعلق بغداد ...... ایران اور خراسان وغیرہ سے تھا۔ ان کے قصیدوں کا شمار اس دور کے بہترین قصیدوں میں ہوتا تھا۔ ان کو خاقانی ...... کانی ...... نذیری ...... نظامی ...... سعدی ...... اور حافظ پر ترجیح دی جاتی تھی ...... یہ تمام لوگ اس دور کے مفکرین اور شاعر تھے۔ لہذا خسرو نے خوبصورتی اور ہندوستان کی خوبصورت عورتوں کے بارے میں بھی تحریر کرنا تھا۔ لہذا انہوں نے ایک کتاب پیش کی ...... بقیہ تل نقیہ (Baqiya-tul-Naqiya) ...... یہ رومانوی شاعری ہے جو غزلیں کہلاتی ہے۔

یہ خسرو کی غزلوں کی دوسری مخصوص کتاب تھی۔

اگرچہ قصیدے بہت مقبول ہوئے تھے اور ان دنوں کانوں کو خوشی بخشتے تھے لیکن ان دنوں مشہور و معروف رومانوی شاعر بھی موجود تھے۔ مثلاً سعدی اور نذیری وغیرہ جو خوبصورتی اور خوبصورت چیزوں کو اپنی غزلوں کے ذریعے داد تحسین پیش کرتے تھے جو دوہرے معانی کی حامل ہوتی تھیں...... عورتوں کی خوبصورتی کی دنیاوی تعریف اور فلسفیانہ داد و تحسین وغیرہ......

لیکن جب خسرو اس میدان میں وارد ہوئے...... انہوں نے دیگر تمام شاعروں کو مات دی اور ان پر سبقت اور برتری حاصل کی۔ دنیا کی کئی ایک یونیورسٹیوں میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے خسرو کی غزلیں پڑھائی جاتی ہیں اور ان پر تحقیق سرانجام دی جاتی ہے۔ ان میں لندن کی یونیورسٹیاں بھی شامل ہیں حتیٰ کہ ان دنوں میں بھی یہ پڑھائی جاتی ہیں جبکہ ان کو تحریر کیئے کئی صدیاں گزر چکی ہیں۔ اس دور میں انہوں نے اپنی غزلوں کی وجہ سے بہت زیادہ شہرت کمائی تھی اور ان کی شہرت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی اور ایران کے شیخ سعدی اور حافظ نے ایک خط کے ذریعے انہیں مبارکباد پیش کی اور ان کو ''طوطی ہند'' کا خطاب دیا اور اس امر کا تذکرہ مولانا شبلی نے اپنی کتاب میں بھی کیا ہے جس کا نام شیر العجم (Sheer-ul-Ajam) ہے۔

امیر خسرو نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں فارسی زبان اپنے عروج پر تھی اور ادبی برتری کی حامل تھی۔ عرب کی نسبت ہندوستان میں زیادہ عرب مفکرین موجود تھے۔ ترکی کی زبان بھی بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کر رہی تھی کیونکہ ان دنوں جو لوگ صاحب حیثیت تھے وہ زیادہ سے زیادہ زبانیں سیکھنے کی کوشش کرتے تھے حتیٰ کہ ہمارے امیر خسرو بھی بارہ سے زائد زبانوں پر دسترس رکھتے تھے اور ان میں:۔

عربی
سنسکرت
بنگالی
کشمیری
فارسی
پنجابی
تامل
سندھی
ترکی
گجراتی
نیپالی
بہاری

یہ تمام زبانیں شامل تھیں اور انہوں نے ان میں سے کئی زبانوں میں شاعری بھی کی تھیں لیکن خسرو ناانصافی پر مبنی اس صورت حال سے خوش نہ تھے۔

خسرو اس امتیاز سے خوش نہ تھے۔ انہوں نے زبانوں کی وجہ سے معاشرے کو مختلف حصوں اور فریقین میں تقسیم پایا تھا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ تمام تر لوگوں کے لئے ایک سادہ

زبان تخلیق کی جائے جو دیہاتوں...... شہروں اور دارالخلافے میں بولی جائے۔ خسرو ایک زبان کا حامل معاشرہ دیکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا خسرو نے چند الفاظ مقامی سطح کی سنسکرت زبان سے منتخب کیے...... چند الفاظ فارسی زبان سے منتخب کیے اور چند الفاظ عربی اور ترکی زبان سے منتخب کیے اور ایک مکمل نئی زبان ایجاد کی اور اس زبان کو ہندوی (Hindvi) کا نام دیا۔ یہ وہی زبان تھی جس نے لاہور اور ملتان (اب پاکستان میں) کی مسلم ثقافت میں نفوس کیا اور کئی صدیوں کے دوران ترقی پائی اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے آج اردو زبان کے نام سے جانی جاتی ہے۔ امیر خسرو کا شکریہ کہ اردو ایک عالمگیر زبان بن چکی تھی اور اب یہ دنیا کی مقبول ترین بولی اور لکھی جانے والی زبانوں میں 5 ویں نمبر پر ہے۔ امیر خسرو کا شکریہ کہ ان کی بدولت لاتعداد اردو کے مفکرین...... لکھاری...... دانش ور اور شاعر منظر عام پر آئے بالخصوص غالب...... اقبال...... میر...... ذوق...... اور فیض جیسے شاعر منظر عام پر آئے۔

کچھ سوانح نگاروں نے اس امر کا بھی تذکرہ کیا تھا کہ خسرو نے اپنی مقبولیت کے دور کے دوران بالخصوص اس دور میں جبکہ سعدی اور حافظ جیسے دو نامور دانش وروں نے اسے اعزاز سے نوازا تھا...... اس وقت خسرو نے انہیں ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا کہ انہوں نے اسے "طوطی ہند" کے خوبصورت اور مٹھاس بھرے خطاب سے نوازا تھا جس کا مطلب تھا "ہندوستان کا طوطا"۔ حافظ نے خرابی صحت کی بنا پر اس دعوت کو قبول کرنے سے معذرت اختیار کر لی تھی لیکن سعدی ہندوستان تشریف لائے تھے۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ دعوت ایک غزل کی شکل میں پیش کی گئی تھی جو ایک سفید ریشمی رومال پر تحریر کی گئی تھی جسے سعدی بے حد پسند کرتے تھے اور انہوں نے خرابی صحت کے باوجود بھی ہندوستان کا سفر طے کیا تھا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ سعدی شیرازی اس وقت ہندوستان تشریف نہ لائے ہوں جبکہ خسرو عسرت کی زندگی گزار رہے تھے اور ان کا گزر اوقات بمشکل ہو رہا تھا۔ عین ممکن ہے کہ وہ اس وقت ہندوستان تشریف لائے ہوں جبکہ خسرو شہزادہ محمد کے ہمراہ ملتان میں مقیم تھے کیونکہ اس وقت خسرو پر محبت...... عقیدت...... اور احترام کے پھول نچھاور کیے جا رہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ دولت بھی ان پر نچھاور کی جا رہی تھی۔ وہ دولت جس کی خسرو خواہش کر سکتے تھے۔ کچھ لوگوں نے یہ تذکرہ بھی کیا تھا کہ خسرو سعدی کو دہلی لے آئے تھے جہاں پر

انہوں نے کچھ دن حضرت نظام الدین اولیا کے ساتھ بھی گزارے تھے۔ بدقسمتی سے مجھے اس دعوت یا غزل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور میں کسی بھی سکے بند کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں پا سکا...... کہ ایک افسوسناک امر ہے یہ خسرو کا زیادہ تر ادب تلاش نہیں کیا جا سکا۔

تاہم میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ سعدی کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ ہندوستان تشریف لائیں کیونکہ اس وقت بغداد جو دنیا کا ثقافتی اور ادبی مرکز تھا وہ اس وقت وحشی چنگیز خان اور ہلاکو خان کی افواج کے ہاتھوں زمین بوس ہو رہا تھا۔

تاہم علاؤالدین کا سخت اور کسی قدر وحشی دور حکومت اس وقت اپنے اختتام کو پہنچا جبکہ 1316ء میں وہ موت سے ہمکنار ہوا اور اس نے بلاشرکت غیرے ہندوستان پر 21 برس تک حکومت کی تھی۔ وہ خرابی صحت کی بنا پر بستر تک محدود ہو کر رہ چکا تھا اور انتظامی امور کی دیکھ بھال اس کے مشیر ملک کافور کے ذمے تھی۔ وہ نیا نیا دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ ملک کافور کو علاؤالدین کا اعتماد حاصل تھا اور اس نے علاؤالدین کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے قیصر خان پر پابندی عائد کرے کہ وہ شہنشاہ نہ بن سکے۔ اس نے محض اسی پر اکتفا نہ کیا تھا بلکہ اپنی چغل خور فطرت اور دوستی کے پردے میں دشمنی سرانجام دینے والی فطرت کی بدولت اس نے ولی عہد شہزادے کو قید خانے میں ڈال دیا تھا اور اسے قید خانے میں ہی ہلاک کروا دیا تھا، اور علاؤالدین کی وفات کے بعد اس نے شاہی فرمان اہل محل کو دکھایا تھا اور نابالغ شہزادے شہاب الدین کو نیا شہنشاہ مقرر کرتے ہوئے حقیقی اختیارات اپنے ہاتھ میں مرکوز رکھے تھے۔ اس کے بعد ملک کافور نے ہلاکتیں سرانجام دینے کے سلسلے کا آغاز کیا اور شاہی خاندان کے دیگر افراد سے نجات حاصل کرنی شروع کی...... یہ ایسے افراد تھے جو تخت کے حصول کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ مرحوم علاؤالدین کی ملکہ کو اس کے اعزازات سے محروم کر دیا گیا تھا اور اس کی جائیداد کو لوٹ لیا گیا تھا اور اس کے بعد اسے قید میں ڈال دیا گیا تھا۔ کچھ وفادار محافظ ملک کافور کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے ایک شب اسے اس کے بستر میں ہی موت کی نیند سلا دیا۔ وہ کئی ماہ تک غداری سرانجام دیتا رہا تھا اور علاؤالدین کا ایک بیٹا جو ملک کافور کے ہاتھوں جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا تھا وہ بھی واپس آ چکا تھا۔

اس کا نام قطب الدین مبارک شاہ خلجی تھا۔ وہ 1317ء میں شہنشاہ بنا تھا، لیکن ایک مرتبہ پھر غیر یقینی صورت حال منظر عام پر آ چکی تھی۔ اگرچہ وہ نوجوان انتہائی خوبصورت تھا لیکن

اسے عملی زندگی یا ملک چلانے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ لہٰذا ملک ایک مرتبہ پھر ابتری کا شکار ہو چکا تھا۔ جن سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جا چکی تھی مثلاً مے نوشی...... رقص و سرور کی محفلیں اور تقریبات پر اسراف بے جا اور فضول خرچی وغیرہ...... وہ سب کچھ دوبارہ رائج ہو چکا تھا۔

بہر کیف مبارک شاہ نے امیر خسرو کو بہت زیادہ عزت اور احترام بخشا اور انہیں محل میں واپس بلا لیا۔ اس نے امیر خسرو سے درخواست کی کہ وہ اس کے دور حکومت کی تاریخ مرتب کریں اور امیر خسرو نے اس درخواست کو قبول کی اور مطلوبہ تاریخ تحریر کی اور امیر خسرو کو ہاتھی کے وزن کے برابر سونے کے انعام سے نوازا گیا جو انہوں نے غرباء میں تقسیم کر دیا اور ضرورت مندوں کے حوالے کر دیا۔ مبارک شاہ کا ایک انتہائی قریبی دوست تھا اس کا نام بھی خسرو تھا۔ اس کا نام ''خسرو خان'' تھا اور اس کی وجہ سے مبارک شاہ کے تعلقات حضرت نظام الدین اولیائؒ کے ساتھ بہتر نہ تھے۔ مبارک شاہ کو اس کے اپنے دوست خسرو خان نے ہلاک کر دیا تھا اور اس طرح اس کا چار سالہ دور حکومت اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا اور خلجی حکومت بھی اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ خسرو خان بھی نیا نیا مسلمان ہوا تھا، اور علاؤ الدین اور اس کے بیٹے قیصر خان اور شاہی خاندان کے دیگر افراد کے خلاف غداری کے منصوبوں میں اس کا شریک کار تھا تا کہ دہلی کے تخت پر قبضہ کیا جا سکے اور جب ملک کافور کو ہلاک کر دیا گیا۔ خسرو خان نئے شہنشاہ مبارک شاہ کے انتہائی قریب آنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اس نے اپنی بدنیتی کی وجہ سے مبارک شاہ کو ہمیشہ مے نوشی میں مصروف رکھا اور رقص و سرور کی محفلوں اور عورتوں میں الجھائے رکھا اور درباری امور بذات خود سرانجام دیتا رہا۔ فوج کا مکمل اعتماد حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے ہی دوست شہنشاہ مبارک شاہ کو ہلاک کر دیا...... اس کے علاوہ اس کی فیملی...... دوستوں...... محافظوں اور بہت سے قابل اعتماد شاہی مشیروں وغیرہ کو بھی ہلاک کر دیا اور نئے نام نصیر الدین کے تحت نئے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

خوش قسمتی سے اس وقت ہمارے امیر خسرو وہاں پر موجود نہ تھے۔ نئے شہنشاہ خسرو خان نے مساجد کی بے حرمتی سرانجام دی...... دیگر عبادت گاہوں کی بے حرمتی سرانجام دی اور مقدس کتب بالخصوص قرآن پاک کی بے حرمتی سرانجام دی۔ بہت سے امیر لوگوں کے علاوہ جاگیروں اور بازاروں میں لوٹ مار کی گئی۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی...... شہر آگ کی لپیٹ میں تھا۔ یہ مکمل ابتری اور طوائف الملوکی تھی۔ جب یہ غمناک خبریں ملتان پہنچیں......

اور مغربی سرحدوں تک پہنچیں جہاں پر غیاث الدین تغلق...... جس کا حقیقی نام غازی خان تھا...... وہ ملتان کے گورنر کے عہدے پر فائز مغل خطرے کو کنٹرول کر رہا تھا...... اسے بے حد غصہ آیا اور وہ بے حد ناراض ہوا۔ غیاث الدین نے دارالخلافہ کو بچانے کے لئے دہلی کی جانب پیش قدمی کی۔ وہ دہلی کے تخت کو بھی بچانا چاہتا تھا اور اس کا سامنا خسرو خان کی فوج سے ہوا جو شکست سے دوچار ہوئیں اور خسرو بھی ہلاک ہوا۔ یہ خسرو خان کا اختتام تھا...... غدار غیر مسلم...... لیکن یہ ایک نئے شہنشاہ کے ساتھ ایک نئے دور کا آغاز بھی تھا۔

* * *

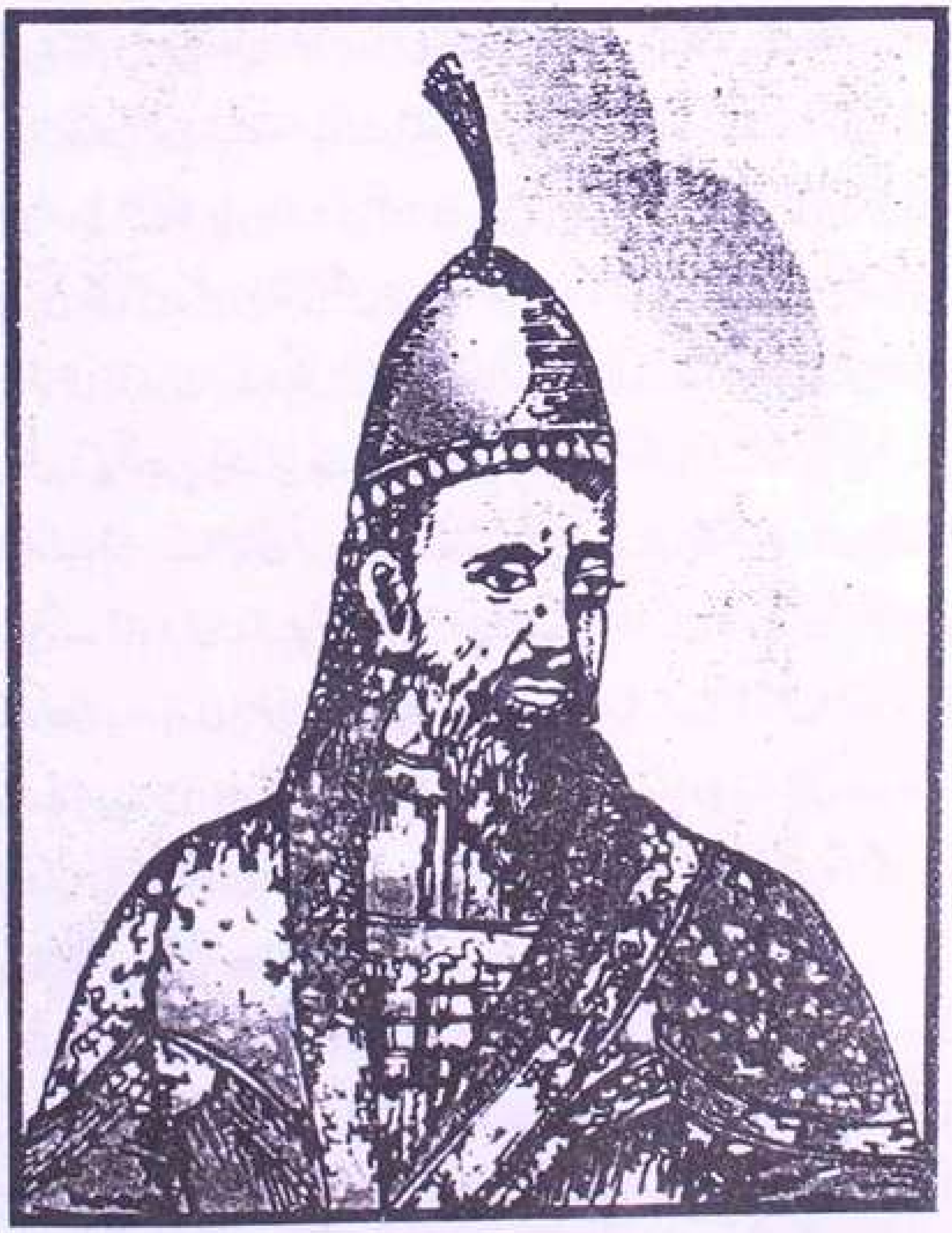

شہنشاہ غیاث الدین تغلق

(تعاون:۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان)

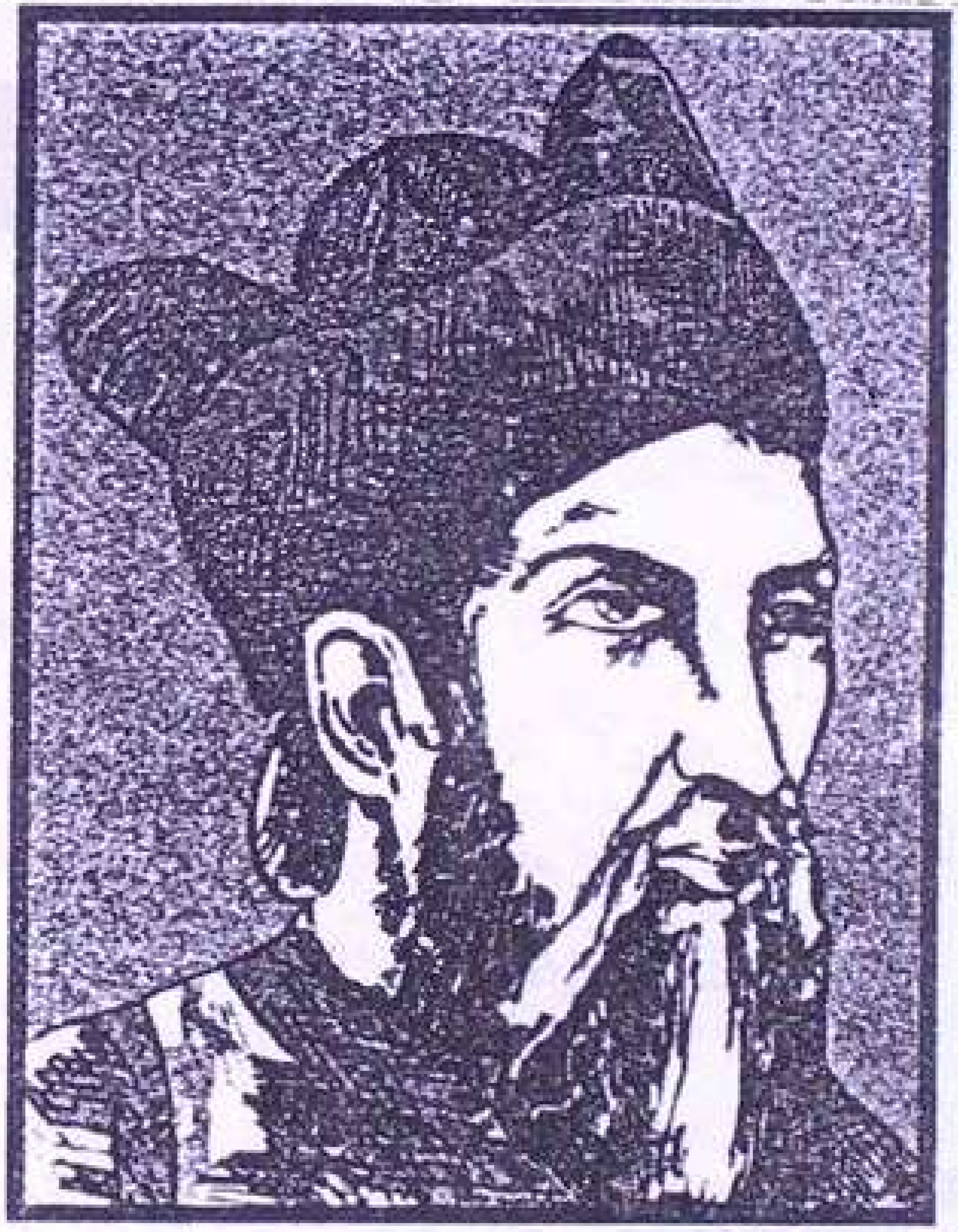

امیر خسرو 60 برس کی عمر میں (تعاون: پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پاکستان)

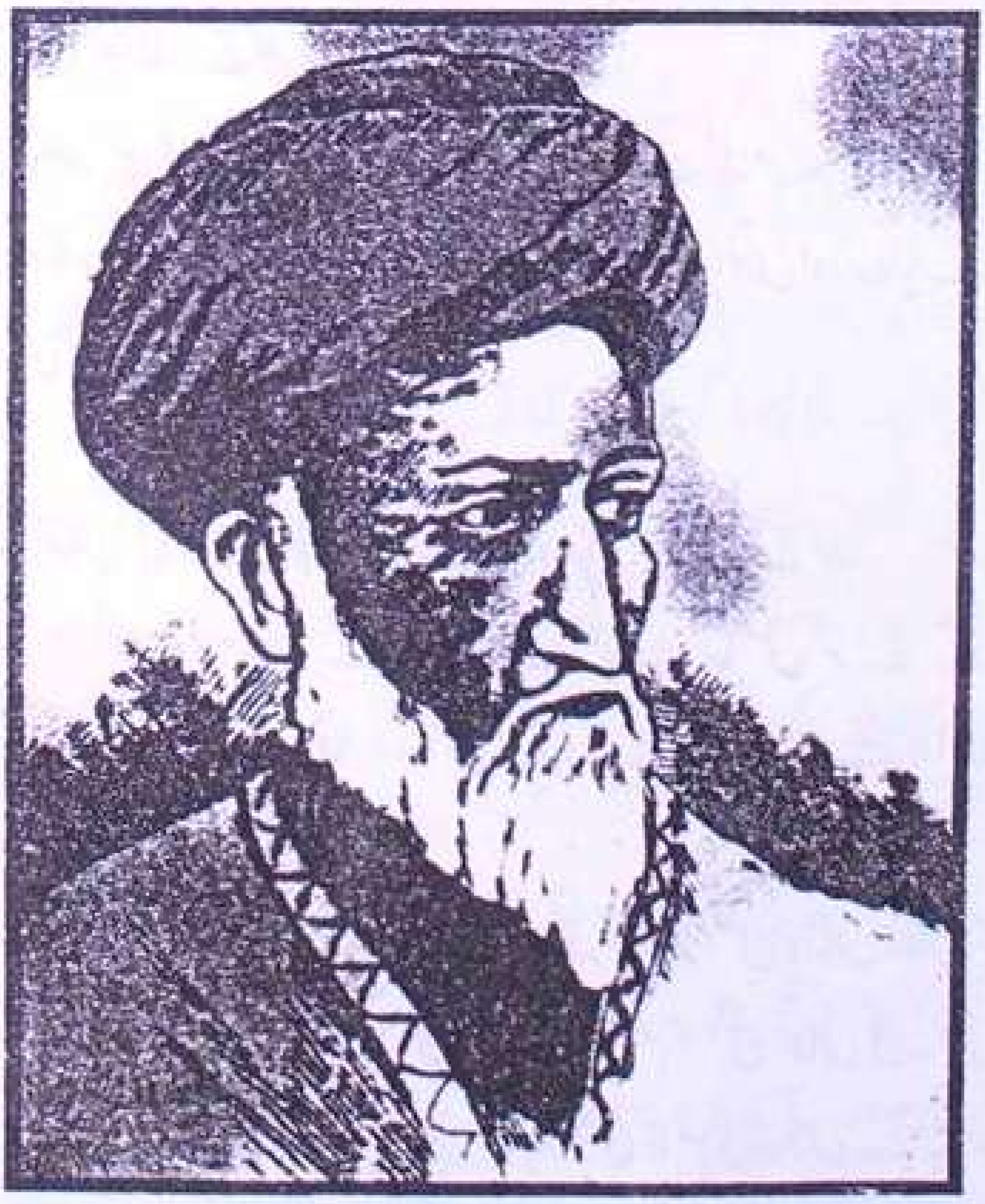

امیر خسرو 70 برس کی عمر میں (تعاون: پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پاکستان)

باب نمبر 4

☆ تغلق خاندان کا آغاز

☆ خسرو کی عزت و احترام اور مقبولیت

☆ خسرو کی شاعری تغلق نامہ اور شہر

☆ تغلق آباد

☆ شہزادہ جونا خان کی فتوحات اور حضرت نظام الدین اولیا کے ساتھ اس کی عقیدت

☆ شہنشاہ غیاث الدین کی حضرت نظام الدین اولیا کے لئے ناپسندیدگی...... اور حضرت نظام الدین کے لئے اس کا حکم کہ وہ دہلی چھوڑ دیں۔

☆ خسرو کی کوشش کہ وہ حکمرانوں اور اس برگزیدہ بندے کے درمیان ایک پل کا کام سرانجام دیں۔

☆ دہلی کی تعریف میں خسرو کی شاعری

☆ دیوگڑھ اور تغلق آباد

☆ بطور ایک سپاہی شہنشاہ کے ہمراہ خسرو کے دورے

☆ شہنشاہ غیاث الدین کی وفات

☆ حضرت نظام الدین کی وفات

☆ امیر خسرو کی وفات

☆ خسرو حکمرانوں اور رعایا کے درمیان ایک پل

☆ خسرو بطور قومی تعمیر سرانجام دینے والے

* * *

خسرو خان کی افواج کو شکست سے دوچار کرنے کے بعد...... خسرو خان کو ہلاک کرنے کے بعد...... اور ریاست کے دشمنوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد...... غیاث الدین جس کا حقیقی نام غازی خان تھا...... اس نے اپنے نئے شہنشاہ بننے کا اعلان کر دیا اور کسی نے اس کی مخالفت سرانجام نہ دی۔

اس نے ابتری اور طوائف الملوکی کا خاتمہ کیا اور امن و امان بحال کیا اور دارالخلافہ میں ہم آہنگی بحال کی اور ملک بھر میں امن و امان اور ہم آہنگی بحال کی۔ اس کے علاوہ اس نے ملک بھر میں امن و امان قائم کیا اور قانون کی بالادستی قائم کی۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ ملک کو مفاد پرستوں اور مصائب کھڑے کرنے والے عناصر سے بھی پاک کر دے گا اور

بدعنوان اور طاقت کے نشے میں چور عناصر کی بھی سرکوبی سرانجام دے گا اور علاؤالدین کے دور کے خوشحال دن واپس لائے گا۔

امیر خسرو کو خصوصی دعوت پر محل میں بلایا گیا اور ان سے درخواست کی گئی اور وہ ان تمام واقعات کا ریکارڈ قلمبند کریں اور انہوں نے انتہائی خوشی کے ساتھ اپنی کتاب "تغلق نامہ" میں یہ کام سرانجام دیا۔ یہ ایک بہت بھاری مثنوی تھی اور اس میں آٹھ ہزار سے زائد مصرعے تھے۔ اگرچہ امیر خسرو تھوڑے وقت تک کے لئے محل سے دور رہے تھے لیکن ان کے پاس معلومات اور اطلاعات کا ذخیرہ موجود تھا اور وہ مکمل طور پر حالات سے باخبر تھے کہ محلات میں کیا کچھ وقوع پذیر ہو رہا تھا اور اختیارات پر گرفت مضبوط کرنے اور دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے لئے کیا کچھ ہو رہا تھا۔

غیاث الدین 1321ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ پُر وقار انداز میں تخت نشین ہوا تھا اور تخت نشین ہوئے کے بعد اس نے تمام تر شاعروں...... لکھاریوں...... اور مفکرین کو محل میں واپس آنے کی دعوت دی تھی جو محل سے دور ہونے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ امیر خسرو نے نئے شہنشاہ کی شان اور اعزاز میں ایک شاندار اور حیران کن قصیدہ تحریر کیا تھا اور اس قصیدے کی وجہ سے امیر خسرو محل کے قریب تر ہو گئے تھے۔

غیاث الدین ایک شریف النفس حکمران تھا۔ وہ رحمدل بھی تھا۔ وہ انسانیت کا حقیقی حمایتی تھا اور نسلی برابری اور مساوات پر بھی یقین رکھتا تھا، لیکن 1322ء میں بنگال میں کچھ بے چینی منظر عام پر آئی۔ بنگال کا گورنر...... کمانڈر بہرام ...... جسے عام طور پر دیوگڑھ کا راجہ لدھر دیو کہا جاتا تھا...... اس نے دہلی حکومت سے ناطہ توڑ لیا تھا اور شہنشاہ غیاث الدین نے اپنے بیٹے شہزادہ جونا خان جسے عام طور الگ خان کہا جاتا تھا...... اس پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ بنگال جائے اور راجہ دیو کے ساتھ نمٹے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امیر خسرو بھی شہزادے کے ہمراہ بنگال روانہ ہوئے کیونکہ امیر خسرو نے ان تمام تر فتوحات کا تذکرہ پیش کیا تھا جو اس شہزادے نے حاصل کی تھیں اور ان فتوحات کا تذکرہ ایک اور قصیدے میں پیش کیا گیا تھا جسے "صحیفۃ الاسوف" کہا جاتا تھا۔ دیوگڑھ کو عام طور پر قطب آباد کہا جاتا تھا کیونکہ سابق شہنشاہ قطب الدین فیروز شاہ خلجی نے اسے یہ نام عطا کیا تھا۔ اس علاقے میں انتہائی خوبصورت عمارات...... مینار...... باغات......

خوبصورت نظارے اور خوبصورت عورتیں موجود تھیں۔

الگ خان اس معرکے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا اور اسے ناکام واپس آنا پڑا تھا کیونکہ اس نے یہ افواہ سنی تھی کہ شہنشاہ غیاث الدین وفات پا چکا تھا۔ الگ خان (یعنی جونا خان) کو تاہم اس کے باپ نے معاف کر دیا تھا اور اس کی وجہ پدرانہ شفقت اور محبت تھی لیکن چند ماہ کے آرام کے بعد اور زیادہ سخت تیاریوں کے بعد...... اسے دوبارہ اسی محاذ پر اسی مشن کی سرانجام دہی کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ دوسری مرتبہ وہ فاتحانہ انداز میں واپس آیا تھا اور اس علاقے میں محبت...... امن و امان...... نظم و نسق...... اور قانون کی بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

اس کے بعد الگ خان (جونا خان) دکن بھیجا گیا تھا (جنوبی ہندوستان) اور وہ وہاں سے بھی فتح یاب ہو کر واپس آیا تھا اور ڈھیروں دولت...... ہاتھی...... اور گھوڑے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اس نے مزید بہت سی جنگیں جیتی تھیں اور اپنے باپ کے خزانے کو بے حد تقویت بہم پہنچائی تھی اور اپنے باپ کو اس کی اس خواہش کی تکمیل کے قابل بنایا تھا جس کے تحت وہ نئے قلعے...... نئے شہر...... مساجد...... اور ندیاں تعمیر کروانا چاہتا تھا...... اور غیاث الدین نے شاندار انداز میں اپنی خواہش کی تکمیل سرانجام دی۔

غیاث الدین نے ایک شہر بھی تعمیر کروایا تھا اور اس کا نام اپنے نام پر ”تغلق آباد“ رکھا تھا اور اس میں ایک مضبوط ترین قلعہ بھی تعمیر کروایا تھا۔ امیر خسرو نے اپنی کتاب ”تغلق نامہ“ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

امیر خسرو کے بقول:۔

> ”شہر سے باہر ایک جھیل تعمیر کی گئی لیکن وہ قلعے کے ساتھ ملحق تھی اور عام لوگوں کے لئے مخصوص تھی...... اس کا پانی تازگی کا حامل تھا...... اس کے درخت سرحدوں کے ساتھ ساتھ واقع تھے اور اس میں پانی کے دخول اور خروج کا رابطہ نزدیکی دریا کے ساتھ استوار تھا اور یہ دنیا کے عجائب میں سے ایک عجوبہ تھا۔ قلعہ بذات خود جنت کا ایک نمونہ پیش کرتا تھا۔ اس کی کھڑکیاں سونے سے مزین تھیں۔ اس کے عین درمیان میں ایک محل تھا جو سورج کی روشنی میں چمکتا تھا۔ ایسا دکھائی دیتا

تھا جسے جنت سے ایک خصوصی تخت زمین پر اتارا گیا ہو"۔

یہاں یہ ذکر کرنا خارج از بحث نہ ہوگا کہ اگرچہ شہنشاہ غیاث الدین امیر خسرو کو پسند کرتا تھا...... بلکہ بہت زیادہ پسند کرتا تھا...... لیکن وہ امیر خسرو کے حضرت نظام الدین اولیا کے ساتھ میل جول کو پسند نہ کرتا تھا جو امیر خسرو کے بہی خواہ تھے...... شہنشاہ کے مشیر اس کے کانوں میں زہر بھرتے رہتے تھے اور اس کے دل میں بھی زہر بھرتے رہتے تھے اور یہ زہر حضرت نظام الدین اولیا کے خلاف ہوتا تھا۔ وہ حضرت نظام الدین کی مقبولیت سے حسد کرتے تھے اور ان کی مذہبی تقریبات اور مذہبی اجتماعات اور مذہبی سرگرمیوں سے بھی حسد کرتے تھے۔ وہ اپنے بیٹے شہزادہ الگ خان (جونا خان) کے اس امر کے بھی خلاف تھا جس کے تحت وہ صوفی بزرگوں کے اجلاس وغیرہ اور محفلوں میں شرکت کرتا تھا اور وہ اسے یہ تلقین کرتا تھا کہ ان محفلوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے وہ ریاستی ذمہ داریوں کی بجا آوری کی جانب توجہ دے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہزادے کو حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضری دینے سے جس قدر زیادہ منع کیا جاتا تھا وہ اسی قدر زیادہ ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔

جب حضرت نظام الدین اولیا...... جن کی عمر 95 برس تھی...... وہ ایک پُر وقار اور شاندار مسلمان تھے۔ وہ ایک صوفی بزرگ تھے (ان کے بارے میں مکمل بیان ایک علیحدہ باب میں پیش کیا گیا ہے)...... جب وہ کمزوری صحت کی بنا پر بستر تک محدود ہو کر رہ چکے تھے...... تب شہزادہ الگ خان تمام دن ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور ان کی تیمارداری اور خدمت سرانجام دیتا تھا۔ اس طرح شہنشاہ کے غصے میں مزید اضافہ ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نظام الدین اولیا کا انتقال ہوا تھا اس وقت بھی شہزادہ ان کے پاس موجود تھا اور شہزادے نے ان کے جنازے میں بھی شرکت کی تھی اور تجہیز و تکفین کے سلسلے میں بھی مصروف رہا تھا اور اس طرح شہنشاہ کا غصہ اپنے عروج پر تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ سے حسد کرنے...... ان کی مقبولیت سے حسد کرنے...... عام لوگوں میں ان کے اثر و رسوخ سے حسد کرنے کی کچھ تاریخی وجوہات بھی تھیں اور ان کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔

جب خسرو خان شہنشاہ بنا...... اس وقت ہر کوئی...... یعنی اعلیٰ عہدے دار اور طاقتور افراد...... وفادار محافظ...... مشیر...... اور وہ لوگ جو شاہی خاندان کے قریب تھے...... سب

جانتے تھے کہ کن حالات کے تحت خسرو خان نے نوجوان شہنشاہ مبارک شاہ کو ہلاک کیا تھا جو کہ اس کا قابل اعتماد دوست بھی تھا۔ لہٰذا ان لوگوں کے دل اور وفاداریاں جیتنے کے لئے...... خسرو خان نے اپنا خزانہ ان پر نچھاور کر دیا تھا اور دولت اور سونا پانی کی طرح بہایا تھا تا کہ یہ لوگ اپنی زبان بند رکھیں اور اس کے ساتھ تعاون کریں۔ یہ اقدام اس کے اپنے حق میں تو بہتر تھا لیکن خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ اب جبکہ اسے شکست ہوئی تھی اور کمانڈر غازی خان یعنی نئے شہنشاہ غیاث الدین نے اسے ہلاک کیا تھا ریاست کی معیشت تباہی کے کنارے تک پہنچ چکی تھی۔ خزانہ خالی تھا اور نیک دل غیاث الدین ترقیاتی امور سرانجام نہ دے سکتا تھا اگرچہ وہ ایسا کرنے کی زبردست خواہش بھی رکھتا تھا۔ لہٰذا شاہی فرمان کے ذریعے اس نے ہر ایک فرد کو یہ حکم دیا کہ وہ تمام تر دولت حکومت کے خزانے میں واپس جمع کروائے۔ بہت سے لوگوں کے پاس جو بھی بچی کھچی دولت تھی انہوں نے سرکاری خزانے میں جمع کروا دی ماسوائے حضرت نظام الدین اولیا جنہوں نے تمام رقم۔ غریبوں پر خرچ کر دی تھی...... یتیموں اور بے سہاروں پر خرچ کر دی تھی اور انہوں نے شہنشاہ کو یہ بات بتا دی تھی۔

کچھ تاریخ دان یہ کہتے ہیں کہ شہنشاہ ان کے اس قسم کے جواب سے ہرگز خوش نہ تھا۔ اس کے علاوہ شہنشاہ کے کان اور دل زہر آلود ہو چکے تھے اور یہ کارنامہ چغل خوروں نے سرانجام دیا تھا اور ان لوگوں نے سرانجام دیا تھا جو حضرت نظام الدین اولیا کے خلاف پراپیگنڈے میں مصروف تھے۔ لہٰذا شہنشاہ نے حضرت نظام الدین اولیا کو اپنے محل میں طلب کیا۔ حضرت نظام الدین اولیا شہنشاہ کے دربار میں تشریف لائے اور انہوں نے اسے کوئی جواب نہ دیا ماسوائے اس جواب کے جو وہ پہلے ہی دے چکے تھے کہ:۔

”اگرچہ وہ دولت جو حضرت نظام الدین اولیا کو دی گئی تھی وہ ریاست کی دولت تھی...... لیکن غریب غربا...... یتیم...... بے سہارا...... اور بیوہ خواتین بھی ریاست کی ذمہ داری تھیں اور یہ دولت ان کی فلاح و بہبود پر خرچ کی گئی تھی“۔

اس جواب نے دونوں کے درمیان خلیج مزید گہری کر دی تھی اور ریاست اور مذہبی رہنما کے درمیان دباؤ...... کھچاؤ...... اور تناؤ کی کیفیت جاری تھی، لیکن چغل خور اور حاسد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ شہنشاہ نے بنگال جانا تھا جہاں پر ایک اور مصیبت نے سر اٹھایا تھا اور وہ فوری توجہ درکار رکھتی تھی۔ اس نے امور سلطنت اپنے بیٹے الغ خان (جونا

خان) کے سپرد کئے لیکن امیر خسرو کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ جناب ضیاء الدین برنی جو ایک تاریخ دان ہے...... اس نے اپنی کتاب ''فرشتہ'' میں تحریر کیا ہے کہ غیاث الدین کا یہ دورہ دہلی سے باہر اس کا آخری دورہ تھا۔

یہ کہا جاتا ہے...... بقول جناب برنی کہ شہنشاہ...... اس نے بنگال کے معرکے کے لئے جانے سے قبل...... حضرت نظام الدین اولیا کو خبردار کیا تھا کہ وہ اس کی واپسی سے قبل دہلی اور اس کے مضافات کو چھوڑ دیں وگرنہ انہیں پچھتانا پڑے گا۔

اخلاقی پہلو سے قطع نظر...... سچ یہ ہے کہ شہنشاہ اگرچہ شریف النفس اور اچھی فطرت کا حامل شخص تھا...... وہ ایک مسلمان تھا اور ہر ایک سے یہ امید کرتا تھا کہ وہ اسی کی مانند عمل درآمد سرانجام دے تاکہ وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکے جو ایک قوم انڈیا کے اصولوں پر بنیاد کرتا ہو، لیکن وہ اس امر کو مشکل پا رہا تھا کیونکہ ایک جانب وہ ایسے لوگوں میں گھیرا ہوا تھا جو خسرو خان کے ساتھ تھے جو ایک نو مسلم تھا جس کو غیاث الدین نے شکست دی تھی اور ہلاک کیا تھا...... اور وہ لوگ اس کے کانوں اور دماغ میں زہر گھول رہے تھے اور یہ زہر حضرت نظام الدین اولیا کے خلاف تھا، اور اس کا بیٹا شہزادہ الگ خان...... اور دوسری جانب اس کا بیٹا شہزادہ الگ خان حضرت نظام الدین اولیا کی محفل سماع میں شرکت کرتا تھا اور یہ مسئلہ شہنشاہ کے لئے باعث تشویش تھا اور شہزادہ الگ خان حضرت نظام الدین اولیا کا مرید بن چکا تھا اور وہ ملک چلانے کے امور میں دلچسپی لینے کی بجائے شہزادہ الگ اپنے باپ کی نسبت حضرت نظام الدین اولیا کی زیادہ سنتا تھا اور عین ممکن ہے کہ یہی وجہ تھی کہ شہنشاہ غیاث الدین کو بذات خود بنگال کے محاذ پر جانا پڑا تھا۔

تاہم بادشاہ کو حضرت نظام الدین اولیا کی مقبولیت پر تشویش تھی۔ وہ ان کی مقبولیت سے خائف تھا۔ ہر قسم کے لوگ اور ہر قسم کے شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ان کے در پر کھنچے چلے آتے تھے اور اس در سے ان کی خواہشات کی بخوبی تکمیل ممکن ہوتی تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں اللہ کے برگزیدہ بندے تھے لیکن بادشاہ ان کے خلاف ہو چکا تھا اور اس کی وجہ حسد اور تعصب کے دیگر عناصر تھے۔ شہنشاہ بنگال روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے ہمراہ ایک مضبوط فوج بھی تھی۔ وہ بیرم خان کو سبق سکھانا چاہتا تھا جو دہلی سے ناطہ توڑنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ ایک خونریز معرکہ ہوا جس میں اسے شکست ہوئی اور وہ ہلاک ہوا۔

شہنشاہ اور اس کی فوج امیر خسرو کے بغیر اس علاقے میں نظم و نسق قائم کرنے اور قانون کی بالادستی قائم کرنے کے بعد فاتحانہ انداز میں دہلی واپس آ رہی تھی۔ ان کے ہاتھ بے تحاشہ دولت اور سونا...... ہاتھی...... اور گھوڑے لگے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر مال غنیمت بھی ہاتھ لگا تھا۔

شہزادہ الگ خان (جونا خان) کو یہ امید نہ تھی کہ اس کا باپ اس قدر جلد واپس آ جائے گا۔ لہٰذا وہ اپنے فاتح باپ کے استقبال کی تیاری مناسب طور پر نہ کر سکا تھا۔ لہٰذا جلد بازی میں اس نے انتظامات مکمل کرنے شروع کئے اور اس نے یہ انتظامات دہلی سے باہر سرانجام دیئے جہاں پر اس نے ایک عارضی پلیٹ فارم اور سٹیج تعمیر کروائی تا کہ فاتح شہنشاہ کا استقبال کیا جا سکے اور اس کی فوج کا استقبال کیا جا سکے اور فوج کے کمانڈروں کا بھی استقبال کیا جا سکے۔

اس دوران...... حضرت نظام الدین اولیا ایک پیشگی نوٹس موصول کر چکے تھے اور یہ نوٹس انہیں ایک قاصد نے دیا تھا جو شہنشاہ کا قاصد تھا جو دہلی کی جانب واپس آ رہا تھا۔ نوٹس میں تحریر تھا کہ:۔

> ''میرے دہلی پہنچنے سے قبل آپ دہلی چھوڑ دیں دہلی میں آپ رہیں گے یا میں رہوں گا''۔

اس کے جواب میں نظام الدین نے مسکراتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

> ''ہنوز دلی دور است''

یعنی دہلی ابھی بہت دور ہے اور یہ جملہ ہندوستانی ادب میں ایک تاریخی کہاوت بن چکا ہے اور کسی ایسی چیز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہ ہو...... جس تک پہنچنا ممکن نہ ہو اور اس جملے کی سچائی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ شہنشاہ کو دہلی پہنچنا نصیب نہ ہوا وہ اس استقبالیہ پارٹی میں ہلاک ہو گیا جس کا انتظام اس کے بیٹے شہزادہ الگ خان (جونا خان) نے دہلی سے باہر کیا تھا کیونکہ ابھی وہ دہلی سے چند میل باہر ہی تھا کہ چھت کا ایک بھاری شہتیر گرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اور یہ واقعہ 1325ء میں پیش آیا تھا۔

کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ سب کچھ حضرت نظام الدین اولیا کی بددعا کی وجہ سے منظر عام پر آیا تھا اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ شہزادے کی غداری تھی کیونکہ وہ بذات خود شہنشاہ بننا چاہتا تھا۔

بہر کیف چند ماہ بعد حضرت نظام الدین اولیا بھی وفات پا گئے تھے۔ ان کی وفات بھی اسی برس ہوئی تھی۔ ان کی صحت جواب دے چکی تھی۔ انہوں نے لاکھوں مرید سوگوار چھوڑے تھے۔ ان میں مسلمان...... ہندو...... اور بہت سے دیگر مرید بھی شامل تھے۔ ان میں شہزادہ الگ خان اور ہمارے امیر خسرو بھی شامل تھے۔

امیر خسرو ہنوز دہلی سے باہر تھے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا کی وفات کے وقت غیاث الدین کی فوج کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے جب یہ افسوسناک خبر سنی تب وہ فوراً دہلی کی جانب بھاگے اور وہ سیدھے حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر گئے۔

کچھ تاریخ دان یہ بیان کرتے ہیں کہ امیر خسرو بے حد جذباتی ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ حضرت نظام الدین اولیا کے مزار مبارک پر حاضری دے رہے تھے اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ:۔

''سورج وہاں دفن ہو چکا ہے میں یہاں کیا کر رہا ہوں''۔

اور یہ کہنے کے بعد وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔ جب ہوش میں آئے تب انہوں نے ہندی اور فارسی میں کچھ شعر حضرت نظام الدین اولیا کی شان میں پڑھے۔ کچھ تاریخ دان یہ کہتے ہیں کہ امیر خسرو حضرت نظام الدین اولیا کے ساتھ ایسے تھے جیسے ''یک جان دو قالب''۔ وہ اپنے اس بہی خواہ سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ ان کے عشق میں اس قدر مبتلا تھے کہ امیر خسرو کے لئے ان کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا حضرت نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد امیر خسرو بھی وفات پا گئے۔ انہوں نے 27 ستمبر 1325ء کو وفات پائی (بدھ 18 شوال 725ہجری) اور انہیں حضرت نظام الدین اولیا کے قریب ہی دفن کیا گیا۔ انہیں ان کے پاؤں میں دفن کیا گیا۔

یہ ایک ایسے شخص کا اختتام تھا جس کی زندگی نشیب و فراز کا شکار رہی تھی۔ وہ کبھی کبھار محلات میں ہوتا تھا...... کبھی کبھار محاذوں پر ہوتا تھا...... کبھی کبھار اپنے بہی خواہ کے ساتھ ہوتا تھا...... وہ ہمیشہ ایک سچا ہندوستانی تھا اور اپنی شاعری کے ذریعے انسانیت کو فروغ دینے میں مصروف تھا۔ ایک ایسا شخص جو عام لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا...... عام لوگوں میں چلتا پھرتا تھا...... جو غرباء سے محبت کرتا تھا...... معذوروں سے محبت کرتا تھا...... قسمت کے مارے ہوئے لوگوں سے محبت کرتا تھا...... ایک ایسا شخص جس نے بہت سے شہزادوں کے ساتھ خدمات

سرانجام دی تھیں...... بہت سے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے ساتھ خدمات سرانجام دی تھیں...... ایک ایسا شخص جس نے شاہی قلعے کو بخوبی دیکھا تھا اور آٹھ سے زائد شہنشاہوں کی خدمات سرانجام دی تھیں...... ایک ایسا شخص جس نے ہمیشہ ایک قوم تخلیق کرنے کے لئے کام کیا تھا...... ایک معاشرہ تخلیق کرنے کے لئے کام کیا تھا...... اور ایک جیسے لوگ تخلیق کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ سب کچھ اس نے اپنی شاعری اور ادب کے ذریعے سرانجام دیا تھا۔

تاریخ ایسے لوگوں کو بار بار تخلیق نہیں کرتی اور ایسے لوگ کبھی فراموش نہیں کئے جاتے۔ ایسے لوگ لاکھوں لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں بستے ہیں جو ان کا کلام سنتے اور پڑھتے ہیں...... جو ان کے ادبی شاہکاروں سے مستفید ہوتے ہیں۔ ہندوستانی برصغیر کے نامور اور عظیم فلسفی شاعر مرحوم علامہ اقبال نے کہا تھا کہ:۔

> ''کسی ایک کسی غوری کا نام ونشان بھی نہیں ہے...... اور نہ ہی ان کے معرکوں یا فتوحات کا نام ونشان باقی ہے لیکن امیر خسرو کی مٹھاس بھری شاعری ہنوز زندہ ہے''۔

ان کا مزار نئی دہلی میں ہے۔ ڈاکٹر وحید مرزا کے بقول...... امیر خسرو کا سوانح نگار...... مغلیہ سلطنت کے دوران ان کے مزار کی تعمیر کروائی گئی تھی اور اب وہ بہت بری حالت کا شکار ہے۔ ان کا مزار حضرت نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب واقع ہے۔ تمام تر مذاہب...... رنگ...... نسل...... عقیدے سے تعلق رکھنے والے لوگ ان کے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور سالانہ عرس بھی منعقدہ کیا جاتا ہے۔

یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ امیر خسرو کی فیملی کے بارے میں تفصیلات سے آگاہی نہیں ہے۔

امیر خسرو نے کب شادی کی؟
انہوں نے کون سے برس میں شادی کی؟
انہوں نے کس عمر میں شادی کی؟
ان کی بیوی کون تھی؟
اس کا کیا نام تھا؟
خسرو کی وفات پر کیا ان کی بیوی حیات تھی؟

ان سوالات کے حقیقی جوابات دستیاب نہیں ہیں۔

جناب ضیاء الدین برنی جیسے نامور تاریخ دان بھی اس سلسلے میں خاموش ہیں۔

لیکن بقول دیگر لکھاری اور محققین جنہوں نے امیر خسرو پر لکھا اور ان پر تحقیق سرانجام دی مثلاً ڈاکٹر وحید مرزا...... ڈاکٹر مجیب رضوی...... ڈاکٹر سمنانی...... پروفیسر ممتاز...... پروفیسر وزیر عابدی اور مولانا شبلی...... ان لکھاریوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ امیر خسرو کی بیوی کی عمر ان کی شادی کے وقت 20 برس تھی اور وہ ایک بہترین بیوی ثابت ہوئی تھی۔ وہ ذہین تھی...... تعاون کرنے والی تھی...... رحم دل تھی...... سخی اور فیاض تھی...... ہنس مکھ تھی...... باوقار تھی...... اور امیر خسرو کی بہترین رفیقہ حیات تھی اور ان کے کھانے کی میز مزیدار اور لذیذ کھانوں سے بجتی رہتی تھی اور اس میز پر کھانے کے علاوہ تازہ پھل مثلاً آم...... خربوزے وغیرہ بھی موجود ہوتے تھے۔ امیر خسرو ہمیشہ اپنی بیوی کے کھانے پکانے کے عمل کی تعریف کیا کرتے تھے اور شاہی کھانوں پر اپنی بیوی کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانوں کو ترجیح دیتے تھے۔

درج بالا تمام تر لکھاری یہ انکشاف بھی کرتے ہیں کہ ان دنوں بیوی کے نام کا چرچا نہیں کیا جاتا تھا اور یہ امر اسلامی ثقافت کے بھی خلاف تھا۔

تاہم امیر خسرو کی والدہ اور ان کے چھوٹے بھائی حسام الدین امیر خسرو کی زندگی میں ہی وفات پا چکے تھے۔ ان کے بڑے بھائی عزیز الدین خسرو کی وفات کے وقت حیات تھے۔ وہ معاشرے کے ایک قابل احترام فرد تھے اور شاہی دربار تک انہیں رسائی حاصل تھی اگرچہ وہ اس قدر مقبول نہ تھے جس قدر مقبول امیر خسرو تھے۔

امیر خسرو کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ اس کا نام عفیفہ تھا۔ اس نے 1302ء میں جنم لیا تھا۔ خسرو اپنی بیٹی سے بے حد محبت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے کتاب ''ہشت بہشت'' میں اپنی بیٹی کو نصیحت کی تھی اور مہربان تجاویز بھی پیش کی تھیں۔ عین ممکن ہے کہ وہ نصیحت اس وقت کی انسانی برادری کی تمام تر بیٹیوں کے لئے ہو۔ تاہم خسرو کی وفات کے وقت ان کی بیٹی حیات تھی۔

امیر خسرو کے تین بیٹے تھے:۔

1۔ غیاث الدین احمد ...... اسے ملک احمد کے نام سے جانا جاتا تھا۔

2۔ عین الدین احمد ...... اسے امیر حاجی کے نام سے جانا جاتا تھا۔

3۔ یامین الدین مبارک ...... اسے امیر محمد کے نام سے جانا جاتا تھا۔

دونوں چھوٹے بیٹے امیر حاجی اور امیر محمد امیر خسرو کی زندگی کے دوران ہی وفات پاگئے تھے۔ بڑا بیٹا جو ملک احمد کے نام سے جانا جاتا تھا وہ بہت زیادہ مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور اس نے شاہی محلات میں بطور ایک ادبی شخصیت شہرت پائی تھی۔ جب خسرو کی وفات ہوئی اس وقت ملک احمد (خسرو کے بیٹے) اور خسرو کی بیٹی عفیفہ ان کے پاس موجود تھی۔ ان کا بھائی عزیز الدین بھی اس موقع پر موجود تھا۔

* * *

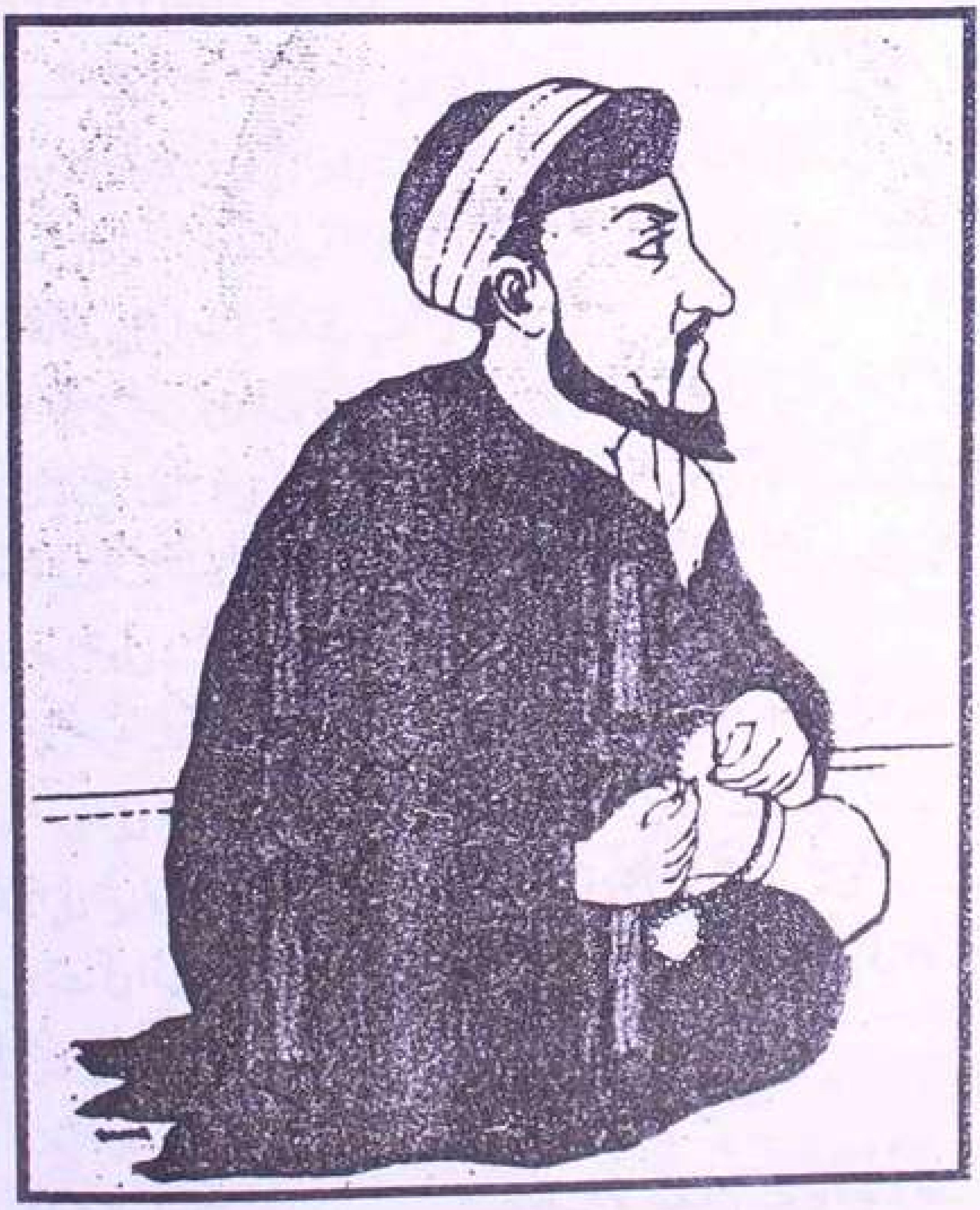

بابا شیخ فرید شکر گنج (تعاون:۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان)

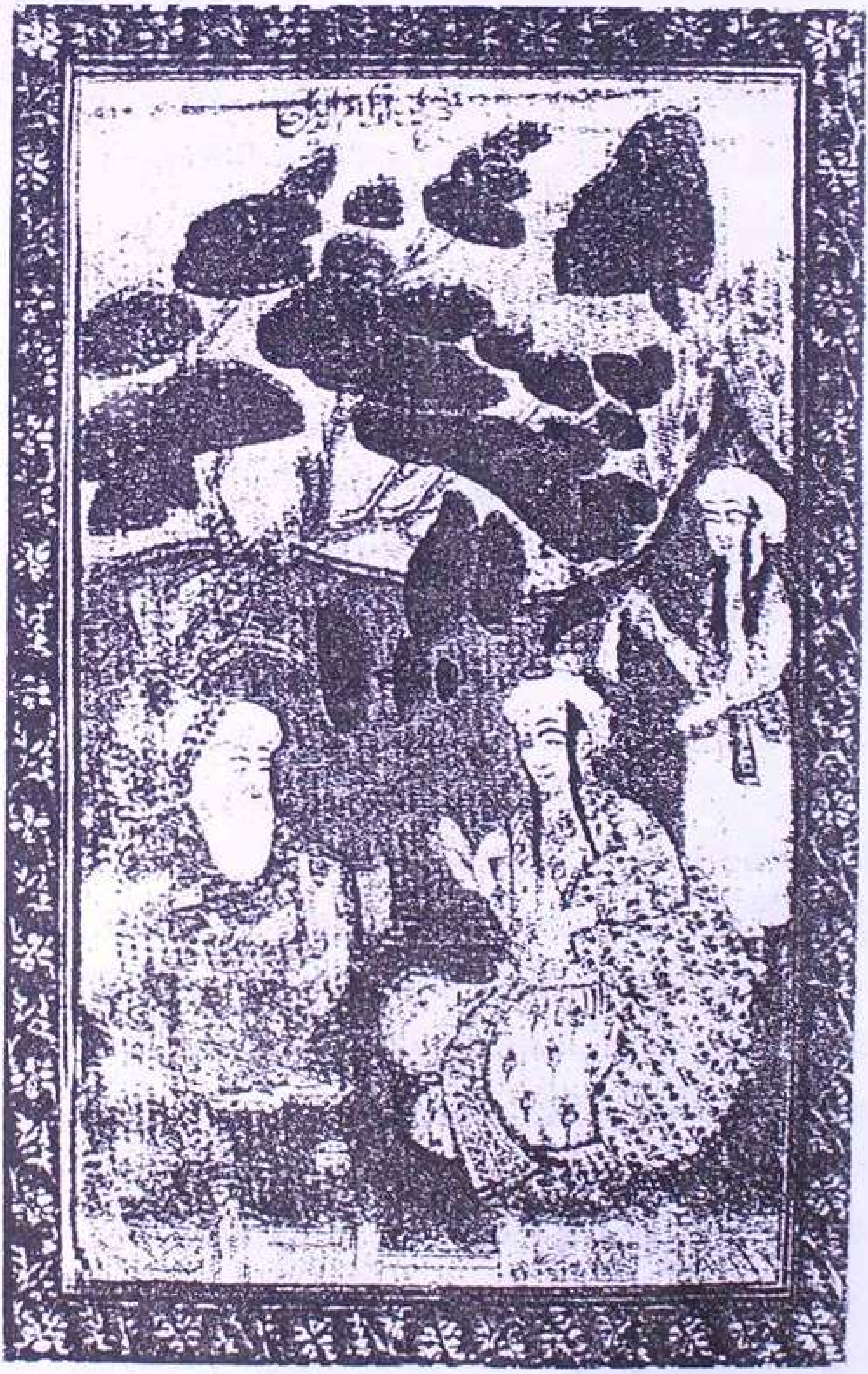

حضرت نظام الدین اولیاؒ امیر خسرو کے ہمراہ

تعاون :۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی۔ انڈیا

باب ہفتم

☆ حضرت نظام الدین اولیاؒ...... اللہ کے برگزیدہ بندے (صوفی بزرگ) اور امیر خسرو پر ان کے اثرات

☆ امیر خسرو کے بہی خواہ

☆ قوالی اور خسرو

☆ عام لوگوں میں ان کی مقبولیت اور ریاست کی تشویش

⁂

حضرت نظام الدین اولیا کا نام امیر خسرو کی زندگی میں بار بار لیا جاتا رہا ہے، اور ان کی سرگرمیوں کے دوران بھی ان کا نام بار بار لیا جاتا رہا ہے، لیکن حضرت نظام الدین اولیا کون تھے؟

جیسا کہ ہم امیر خسرو کا تذکرہ کر رہے ہیں لہٰذا طویل تفصیل میں جانے کی بجائے حضرت نظام الدین اولیاؒ کا مختصر تذکرہ سود مند ثابت ہوگا۔

وہ ایک درویش تھے...... ایک صوفی بزرگ تھے...... اولیا اللہ تھے۔ وہ انسانیت کا درس دیتے تھے اور انسانی اقدار کا درس دیتے تھے۔ وہ اسلامی روحانی اقدار کی روشنی میں یہ درس دیتے تھے اور مادہ پرست دنیا ان کے اس درس کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی۔ خالق اور اس کی مخلوق یعنی اللہ اور اس کے بندے اور اس کی فطری خوبصورتیاں قابل احترام ہیں۔ اللہ کی عبادت کرنے سے طمانیت حاصل ہوتی ہے اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے سے طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

ان کا حقیقی نام محمد بن احمد بخاری تھا اگرچہ ان کے دیگر مقبول عام نام بھی تھے جو ان کے مریدوں نے انہیں عطا کیے تھے:۔

حضرت نظام الدین	حضرت جی
حضرت خواجہ	شیخ۔ ال۔ مشائخ

ان کے والد کا نام احمد بن علی بخاری تھا۔ انہوں نے بسلہ لاہور (پاکستان) کی جانب

ہجرت کی تھی اور اس کے بعد بدایون (ہندوستان) کی جانب ہجرت کی تھی اور 11 ویں صدی میں وہ اس مقام پر مقیم ہوئے تھے۔ مولانا شبلی کے بقول وہ یعنی احمد بن علی براہ راست حضرت کمیل (HAZRAT KUMAIL) کی اولاد میں سے تھے...... جو حضرت علی (اللہ آپ پر راضی ہو) کے پیروکار تھے...... حضرت علی (اللہ آپ پر راضی ہو) جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔

ان کی والدہ محترمہ کا نام بی بی زلیخاہ تھا۔ انہوں نے 1234ء (634 ہجری) میں جنم لیا تھا۔ انہوں نے بدایون میں جنم لیا تھا۔ جب ان کی عمر تقریباً پانچ برس تھی تب ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی پرورش ان کی والدہ نے سرانجام دی اور ان کی تعلیم و تربیت کا بھی بندوبست کیا۔ ان کے پہلے اتالیق بدایون کے مولانا علاؤالدین اصولی تھے۔ اس کے بعد وہ دہلی چلے آئے تھے اور مولانا خوارزمی کے شاگرد بنے تھے۔

وہ اپنی والدہ کے ہمراہ بیس برس کی عمر تک دہلی میں مقیم رہے تھے اور اس کے بعد ان کے استاد نے انہیں اجودھن روانہ کیا تھا...... ہندوستان کے مغربی علاقوں کا ایک قصبہ (اب پاکستان کا حصہ ہے اور پاکپتن کہلاتا ہے)۔

پاکپتن میں انہیں صوفی بزرگ بابا فرید شکر گنج کی سرپرستی نصیب ہوئی۔ بابا فرید شکر گنج ایک مایہ ناز بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت نظام الدین کو زندگی کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کروایا اور انہیں خدا اور خدا کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا درس دیا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ پیار...... محبت...... امن ...... اور ہم آہنگی کے ذریعے کس طرح طمانیت کے حصول کو ممکن بنانا تھا اور لالچ اور مادہ پرستی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کس طرح طمانیت حاصل کرنی تھی۔

چشتیاں مسلک میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ دہلی واپس لوٹ آئے اور انہوں نے شہر کے مضافات میں ایک جھونپڑی میں ڈیرہ لگا لیا۔ یہ علاقہ غیاث پور کہلاتا تھا اور آج کل یہ علاقہ بستی نظام الدین کہلاتا ہے۔

وہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے اور رحم دل تھے۔ ان کی رحم دلی اور نیک کاموں کے چرچے دہلی بھر میں پھیل چکے تھے۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ انہوں نے وہاں سے آغاز کیا تھا جہاں پر خواجہ معین الدین چشتیؒ نے پہلے اجمیر (ہندوستان) میں چھوڑا تھا۔

تمام رنگ ونسل کے حامل لوگ اپنے مسائل اور تفکرات لے کر ان کے در پر حاضر

ہوتے تھے اور ان کی نظر کرم سے مستفید ہوتے تھے۔ ضرورت مند…… مظلوم…… بھوکے…… بے گھر…… یہ سب لوگ روٹی اور کپڑا حاصل کر رہے تھے اور ان کو نہ صرف تحفظ میسر آتا تھا بلکہ اخلاقی حمایت بھی میسر آتی تھی۔ ان کا آمدنی کا اپنا کوئی ذریعہ نہ تھا لیکن جو کچھ بھی نذرانے کی شکل میں موصول ہوتا تھا وہ سب کچھ وہ غریب غرباء…… یتیموں…… مسکینوں…… اور بیواؤں پر خرچ کر دیتے تھے۔ وہ ضرورت مندوں کی دل کھول کر امداد کرتے تھے۔

اس کے علاوہ امیر خسرو جیسے لوگ اور حسن سنجری…… قاضی محی الدین…… مولانا برہان الدین اور شہزادہ قیصر خان اور شہزادہ محمد تغلق جیسے لوگ بھی ان کے در پر حاضری دیتے تھے اور روحانی بصیرت حاصل کرتے تھے۔ وہ امیر خسرو ان کے در پر حاضری دیتے تھے اور روحانی بصیرت حاصل کرتے تھے۔ وہ امیر خسرو کو ان کے بچپن سے ہی جانتے تھے (واضح رہے کہ امیر خسرو کی عمر ابھی محض سات دن تھی کہ ان کے والد ان کو حضرت نظام الدین اولیا کے در پر لے گئے تھے۔

لوگ جوق در جوق ان کے در پر حاضری دینے آتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ شاہی محلات کی تشویش میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ حسد اور تعصب میں مبتلا تھے شہنشاہ قطب الدین فیروز خلجی اور غیاث الدین تغلق اپنے دور حکومت کے دوران حضرت نظام الدین اولیا پر بے حد ناراض رہے تھے۔ قطب الدین نے اپنے دور حکومت کے دوران ہی حکم جاری کیا تھا کہ لوگ حضرت نظام الدین اولیا کے در پر حاضری دینے کے لئے نہ جائیں اور غیاث الدین نے انہیں دہلی چھوڑنے کا حکم جاری کیا تھا۔ کئی مرتبہ انہیں محل میں طلب کیا گیا تھا اور ان سے ان کی سرگرمیوں کی وضاحت طلب کی گئی تھی۔ انہوں نے ذاتی طور پر بھی ان سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن حضرت نظام الدین اولیا نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ جلال الدین خلجی نے بھی بطور ایک دوست ان کے ساتھ ان کی جھونپڑی میں ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ:۔

”مجھے ان سے یا ان کی مادہ پرست دنیا سے کیا لینا ہے۔ اگر جلال الدین ایک دروازے سے میری جھونپڑی میں داخل ہوا تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا“۔

اگرچہ لاتعداد لوگ حضرت نظام الدین اولیا کے در پر حاضری دیتے تھے اور ان کی تعلیمات سے استفادہ حاصل کرتے تھے، لیکن وہ حکمرانوں کو اپنے در پر حاضر ہونے کی

اجازت فراہم نہ کرتے تھے اور ان کو نظر انداز کر دیتے تھے کیونکہ انہیں مادہ پرست دنیا کی سرگرمیوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس طرح حکمران طبقہ ان کے خلاف ہو چکا تھا اور ان کے اور حکومت کے درمیان فاصلے بڑھ رہے تھے۔

ہندو انتہا پسند بھی آپ کے خلاف سرگرمیاں سرانجام دینے میں مصروف تھے۔ یہ بااثر لوگ محلات میں حکمران طبقہ کے دل و دماغ کو زہر آلود کر رہے تھے۔ وہ آپ کے ساتھ مخالفت رکھتے تھے اور محفل سماع کے بارے میں بھی شکایت کرتے تھے جو تقریباً روزانہ حضرت نظام الدین اولیا کے در پر منعقدہ ہوتی تھی۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس طرح اسلام کو پھیلانے میں مدد ملتی تھی۔

محفل سماع کیا ہے؟

عام طور پر اسے قوالی کہا جاتا ہے جس کے دوران تقریباً دس تا بارہ موسیقار اور گلوکار اور ساز بجانے والے اکٹھے گلوکاری کرتے ہیں اور ساز بجاتے ہیں اور اس طور گلوکاری کرتے ہیں کہ شاعری کے الفاظ بار بار باہم اکٹھے دہرائے جاتے ہیں اور اس طرح جذباتی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور سامعین اس طرح اپنے ہاتھوں اور سروں کو جنبش دینے لگتے ہیں جس طرح سمندر کی لہریں جنبش کرتی ہیں۔

یہ محفلیں یا قوالیاں مقناطیس کا کام سرانجام دی رہی تھیں۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ ان محفلوں میں کھنچے چلے آتے تھے۔ وہ قوالیاں سنتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ ہمارے امیر خسرو بھی ان محفلوں میں شریک ہوتے تھے کیونکہ وہ بذات خود بھی ایک گلوکار تھے اور ساز بجاتے تھے۔ انہوں نے ''ستار'' اور ''طبلہ'' بھی ایجاد کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک مشہور شاعر بھی تھے۔

کچھ تاریخ دان یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ امیر خسرو کا کیا دھرا تھا جو گلوکاری کیا کرتے تھے اور ساز بجایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ ان کے دیگر دوست بھی شامل ہوتے تھے۔ اس طرح ادبی اور روحانی بصیرت کے حصول کے علاوہ روزانہ لطف اندوزی کا ایک ماحول محفل سماع کے ذریعے تخلیق پاتا تھا۔

دوسری جانب انتظامیہ اور حکمران طبقہ اس لئے تشویش میں مبتلا تھا کہ لوگوں کا یہ جم غفیر کہیں ان کے لئے یا ان کی حکومت کے لئے کسی روز کوئی مسئلہ نہ کھڑا کر دے۔

امیر خسرو نے ان دنوں اہم ترین کردار ادا کیا تھا ور انہوں نے حکمرانوں کے ان

احساسات کو زائل کرنے کی بھرپور کوشش سرانجام دی تھی۔

امیر خسرو نے ایک خصوصی میگزین تحریر کیا تھا۔ اس کا نام ''فواد۔ الفواد'' تھا۔ اس میں انہوں نے حضرت نظام الدین اولیا کی تعریف سرانجام دی تھی اور یہ تذکرہ بھی کیا تھا کہ وہ انسانیت کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لئے کیا خدمات سرانجام دے رہے تھے اور اس خدمت کی سرانجام دہی کے عوض ان کا کسی قسم کا کوئی بھی ذاتی مفاد نہ تھا۔ انہوں نے ان قوالیوں کی صورت حال کی بھی وضاحت کی تھی اور یہ یقین دہانی بھی کروائی تھی کہ محفل سماع سے کسی کو بھی کسی قسم کی کوئی تشویش نہیں ہونی چاہیے۔

امیر خسرو جو کچھ کر رہے تھے حضرت نظام الدین اولیا اس سے بے حد خوش تھے اور انہوں نے امیر خسرو کو ایک خصوصی خلعت اور پگڑی عطا فرمائی تھی اور ان دنوں یہ سب کچھ ایک بہت بڑا اعزاز تصور کیا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے اپنے مریدوں سے فرمایا تھا کہ خسرو کی وفات کے بعد انہیں بھی ان کے قریب دفن کیا جائے تاکہ وہ دونوں اکٹھے جنت میں داخل ہو سکیں۔

* *

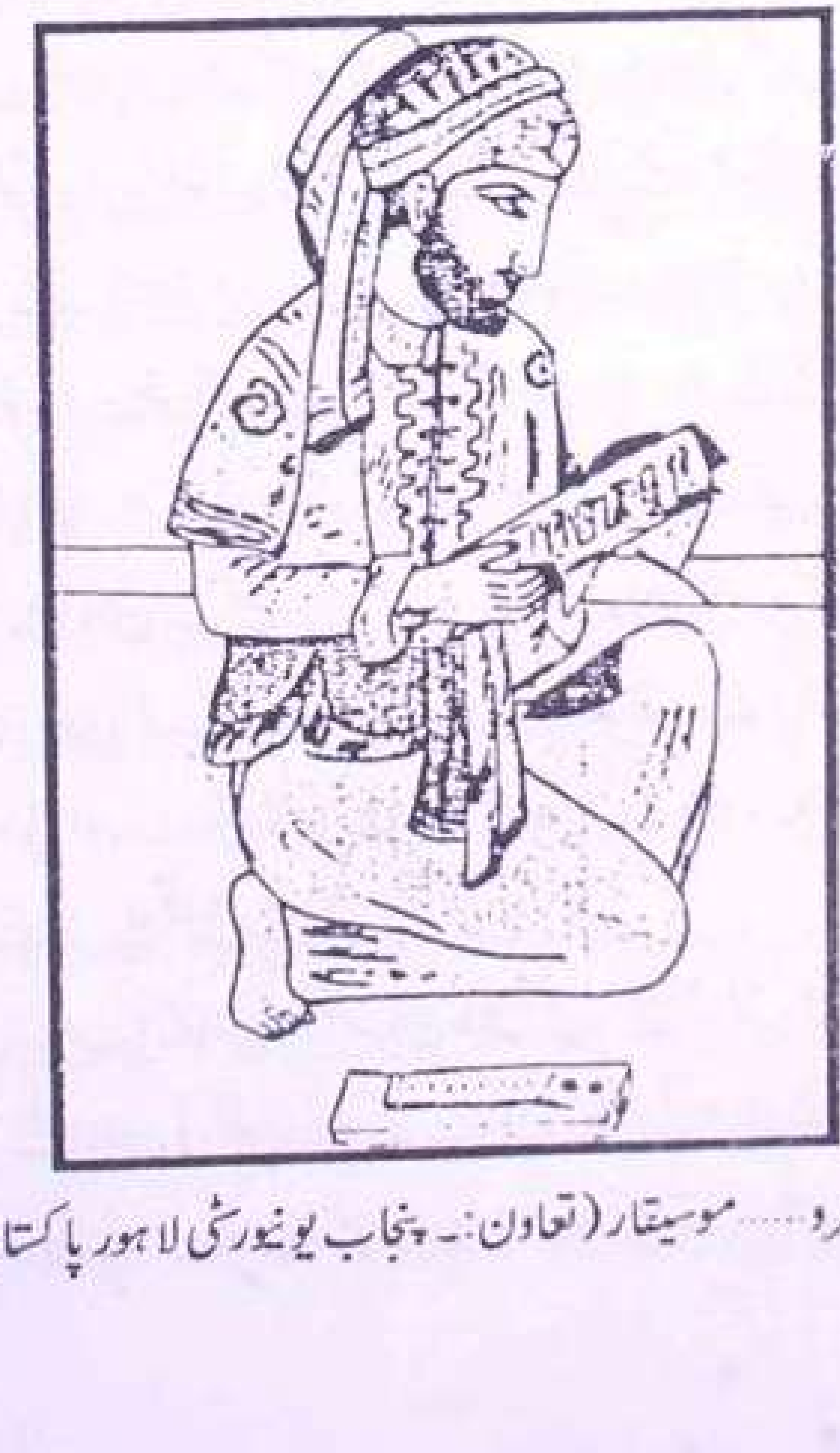

امیر خسرو...... موسیقار (تعاون:۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان)

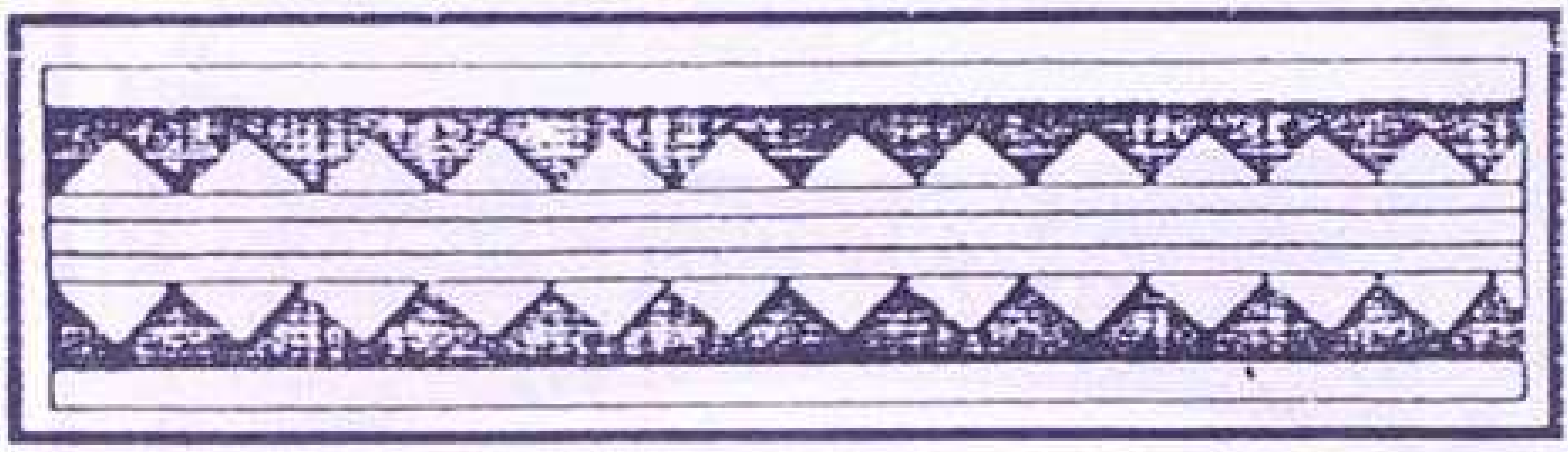

کرکچ (The Kirkich)...... امیر خسرو اکثر اسے عجب روڈ (Ajab-rud) کہتے تھے۔

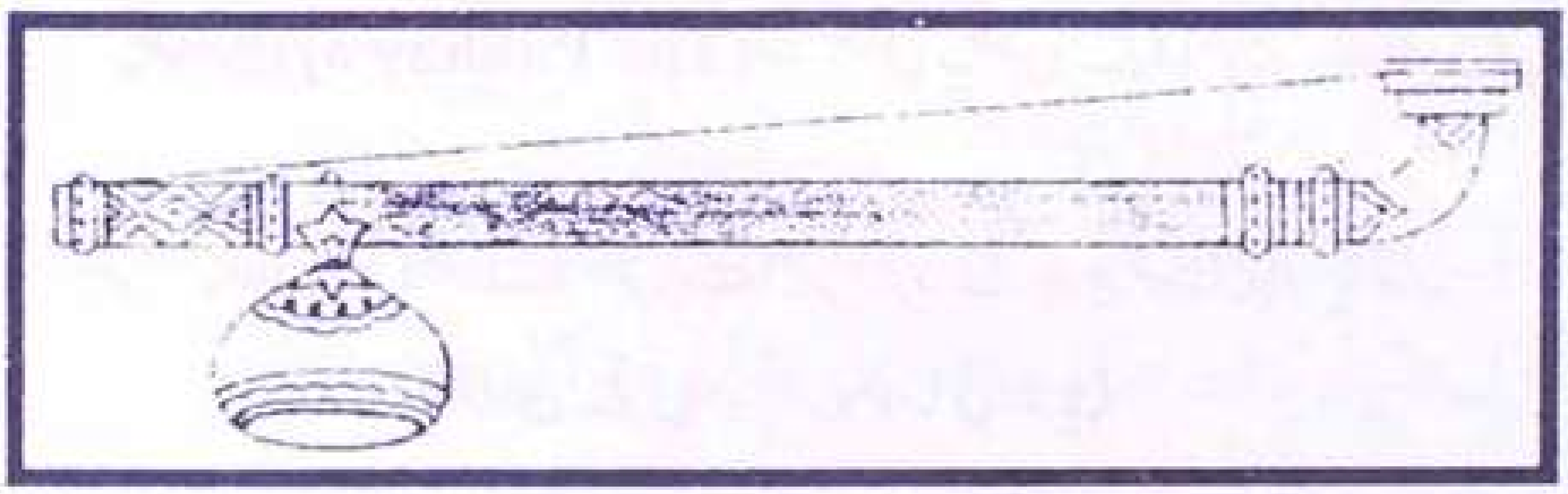

بالاکی ونیا (The Ballaki Vina)...... خسرو کے دور کا آلۂ موسیقی

……

پرانی ستار (وینا) جس کو ترقی دیتے ہوئے امیر خسرو نے جدید ستار ایجاد کی۔

(تعاون: قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا)

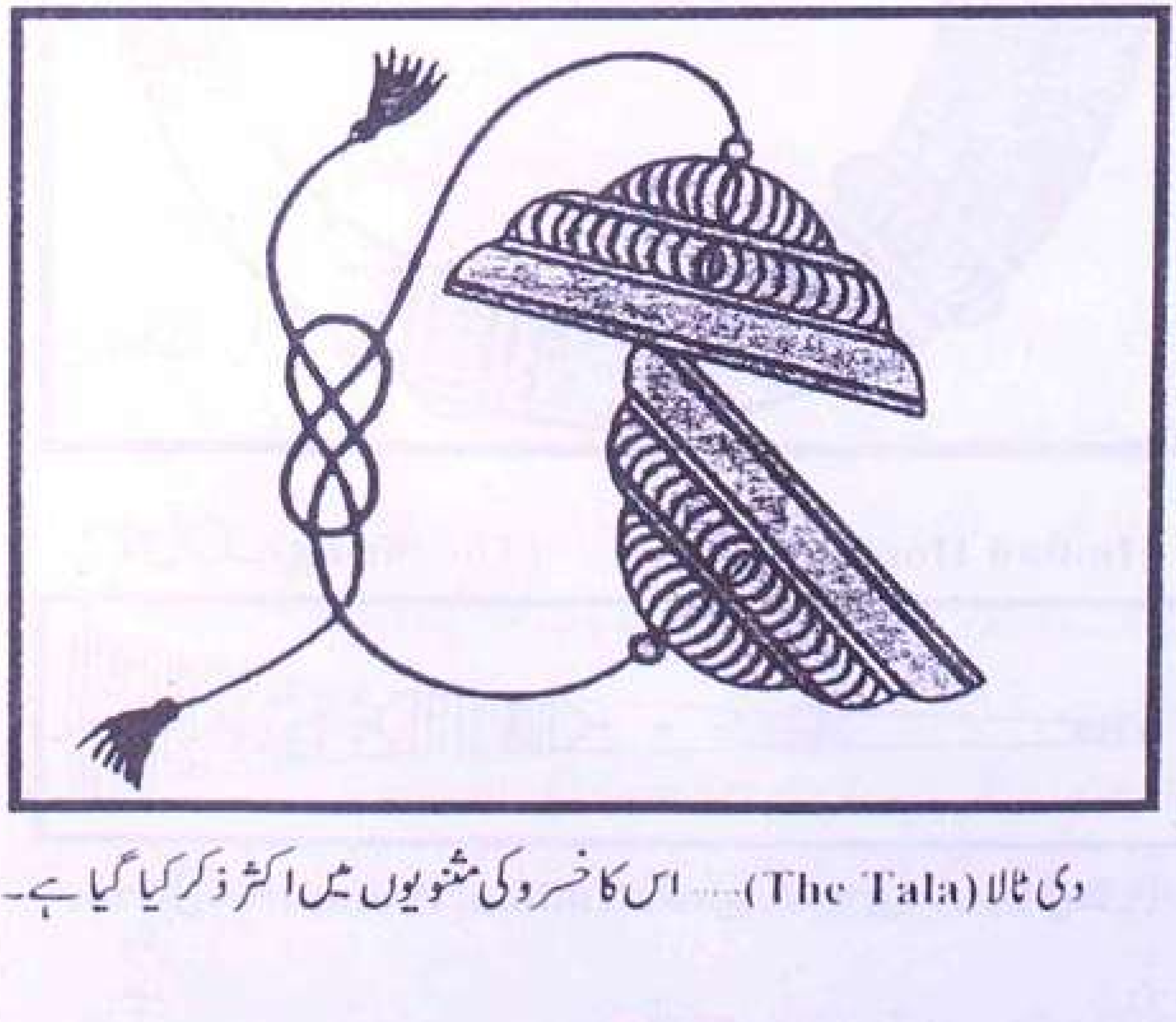

دی ٹالا (The Tala)...... اس کا خسرو کی مثنویوں میں اکثر ذکر کیا گیا ہے۔

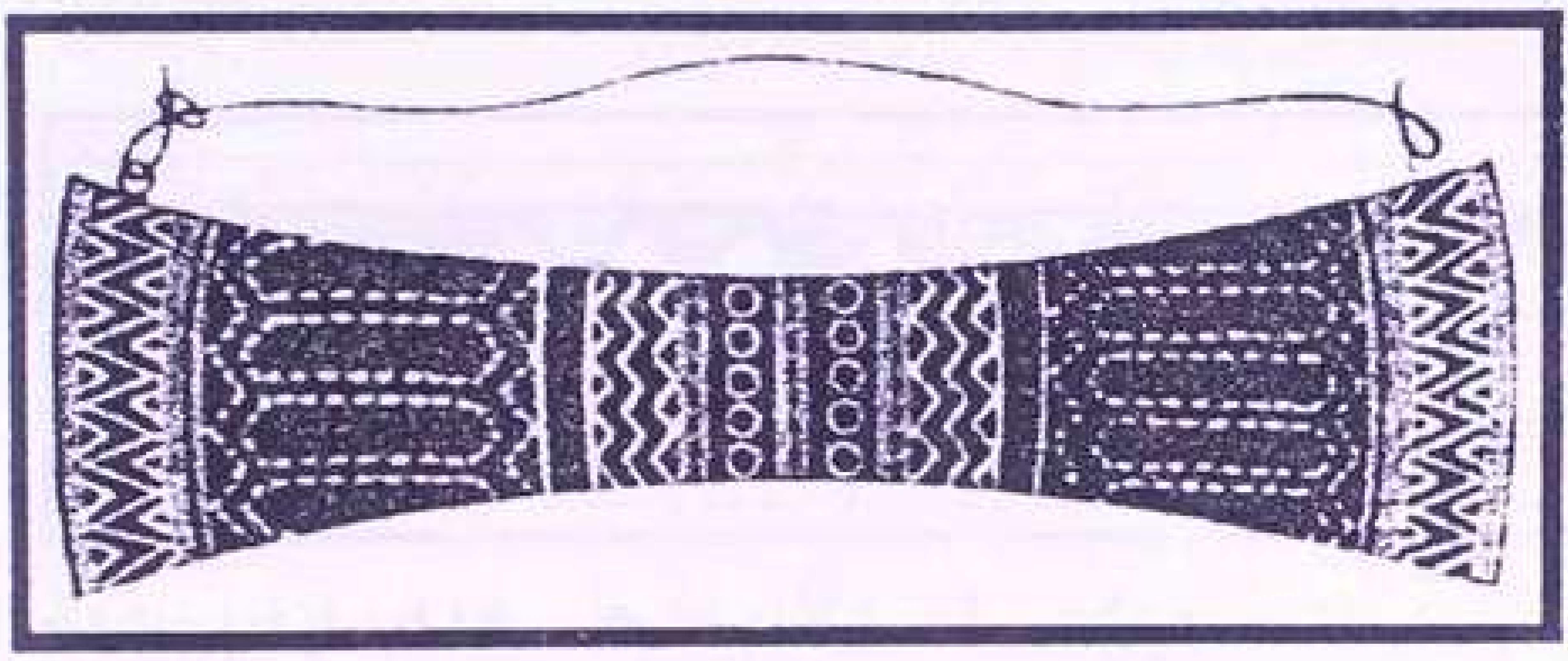

پکھاوج (The Pakhawaj)...... جیسی یہ خسرو کے ایام میں دکھائی دیتی تھی

……

قدیم پکھاوج (ڈھولک) جس سے امیر خسرو نے جدید طبلہ ایجاد کیا تھا۔

(تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا)

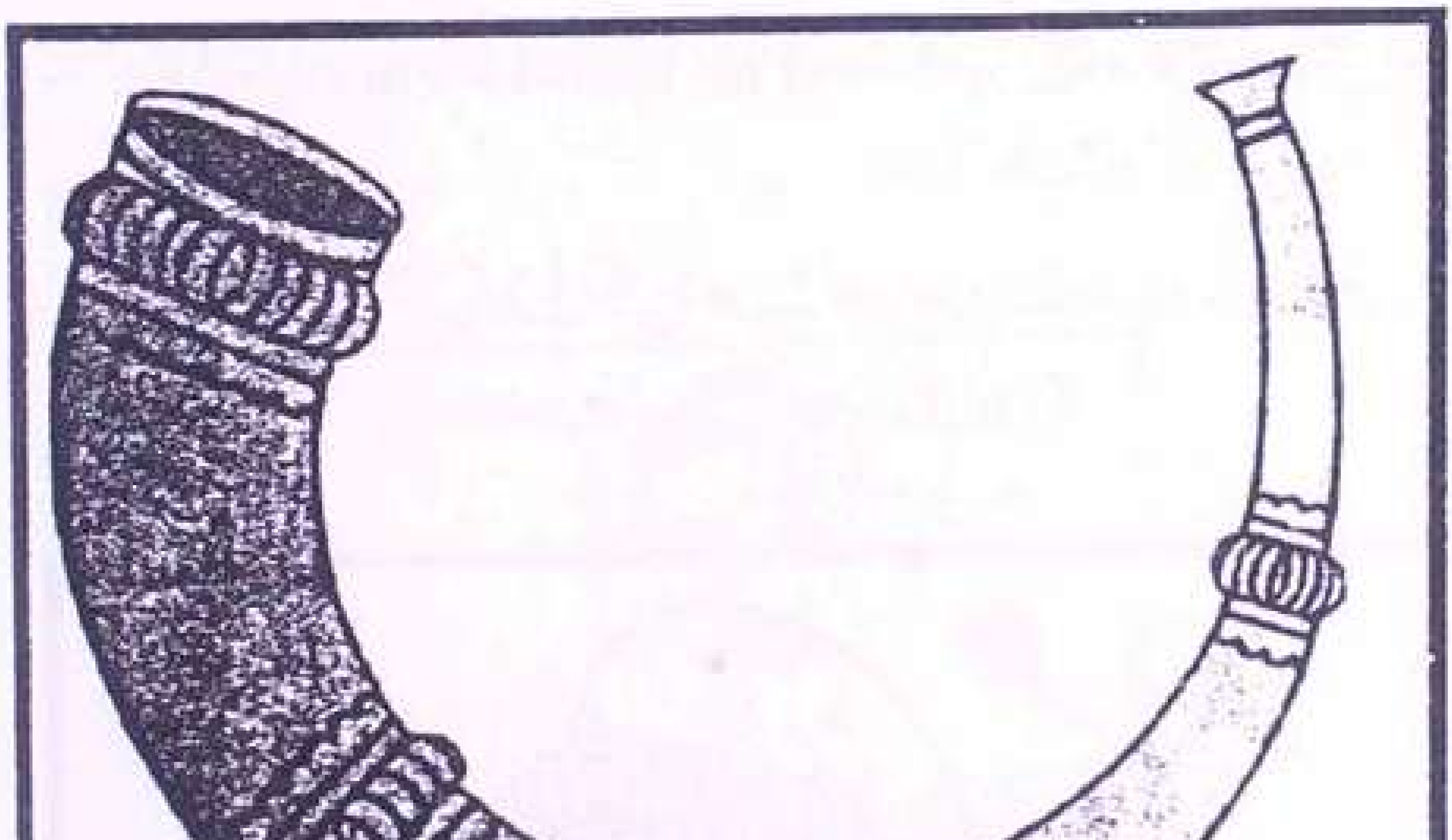

دس سرنگ (The Siring)...... ہندوستانی ہارن (Indian Horn)

ہندوستانی باجا (Indian Trumpt) (تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا)

باب نمبر 6

- ☆ امیر خسرو بطور ایک موسیقار
- ☆ ان کی ستار اور طبلہ کی ایجادات
- ☆ ایک قوم کی تعمیر کے لئے موسیقی کے استعمال کی ان کی کوشش
- ☆ ایک ایشیائی ثقافت اور ایک ہندوستانی معاشرہ ...... یعنی ہندو اور مسلمان اکٹھے

* *

اب تک ہم نے امیر خسرو کی درج ذیل خصوصیات کا مطالعہ سرانجام دیا ہے۔

شاعر مفکر لکھاری
تاریخ دان سپاہی صوفی
مختلف شہنشاہوں کے مشیر

ہم نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ انہوں نے جنگوں ...... معرکوں اور محاذ آرائیوں میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔

انہوں نے ریاست اور انتظامیہ اور مذہبی عناصر کے درمیان بھی ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔

ہم نے انہیں ایک بے انتہا اثر و رسوخ اور قوت کے حامل ایک فرد کے طور پر دیکھا ہے اور انہیں شاہی محلات میں اعلیٰ مقام حاصل رہا تھا۔

اور ہم نے انہیں ایک شریف النفس انسان کے روپ میں بھی دیکھا ہے، اور ایک پیار کرنے والے خاوند ...... شفقت کرنے والے باپ اور ایک ذمہ دار فیملی سربراہ کے روپ میں بھی دیکھا ہے۔

تاہم زیر نظر باب میں ہم امیر خسرو کو ایک اور تناظر میں دیکھیں گے۔ ان میں موسیقی کی خوابیدہ قوتیں بھی پائی جاتی تھیں اور بے شک وہ ایک بہت بڑے موسیقار بھی تھے۔

امیر خسرو گلوکاری کے میدان میں ایک سریلی ...... میٹھی...... اور حیران کن آواز کے حامل تھے۔ ان کے بچپن کے دور میں...... ان کے اتالیق خواجہ سعد الدین جن سے خسرو لکھنا پڑھنا سیکھ رہے تھے... انہوں نے ایک مرتبہ خسرو کو ایک مفکر خواجہ عزیز الدین سے متعارف کروایا جنہوں نے انہیں شاعری کی ایک کتاب پڑھنے کے لئے کہا۔ امیر خسرو نے اس نظم یا غزل کو تحت اللفظی میں پڑھنے کی بجائے اس شاندار آواز میں گایا کہ خواجہ سعد الدین نے نہ صرف وہ کتاب انہیں بطور تحفہ دے دی بلکہ ان کے بارے میں یہ پیش گوئی بھی کی کہ:۔

> ''تم یقیناً ایک نہ ایک دن دنیا میں اپنا مقام پاؤ گے اور یہ مقام نہ صرف ایک شاعر کا مقام ہوگا بلکہ ایک موسیقار کا مقام بھی ہوگا''۔

اور حقیقت میں یہی کچھ وقوع پذیر ہوا تھا کیونکہ خسرو ایک ایسے دماغ کے مالک تھے جو خدا کا ایک عظیم عطیہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ خداداد ذہانت اور دانش وری کے بھی حامل تھے۔ انہوں نے شاعری کہیں سے بھی نہ سیکھی تھی اور کسی بھی استاد سے شاعری کا درس نہ لیا تھا اور نہ ہی انہوں نے کسی سے موسیقی سیکھی تھی۔ وہ محض دوسروں کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے اور اس طرح اس میدان میں اپنی اصلاح سرانجام دیتے تھے۔

اگرچہ خسرو نے 36 یا 37 برس کی عمر تک پہنچنے تک اپنی اس ذہانت کی جانب کوئی توجہ نہ دی تھی جو موسیقی کے سلسلے میں ان میں پائی جاتی تھی، لیکن وہ موسیقی سے لطف اندوز ضرور ہوتے رہے تھے۔ وہ محلات میں ایرانی اور ترکی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے تھے جو پارٹیوں میں ترتیب دی جاتی تھی اور وہ اس کے بارے میں بہت کچھ سیکھ چکے تھے اور جان چکے تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فارسی اور ترکی زبانوں کے بھی بہت بڑے مفکر تھے۔

دوسری جانب ہندوستانی موسیقی تھی۔ اس کی اصطلاحات سنسکرت زبان میں تھیں اور اسے خسرو نے اپنی والدہ دولت ناز سے سیکھا تھا۔ لہٰذا خسرو کے لئے ہندوستانی موسیقی کو سمجھنا اور سیکھنا کچھ مشکل نہ تھا۔

ہندوستانی موسیقی کا مشکل حصہ یہ ہے کہ اسے کبھی بھی مغربی موسیقی کی مانند تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ باپ سے بیٹے یا ایک استاد سے ایک شاگرد کو منتقل ہوتی ہے یا پھر ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی ہے اور یہ یادداشت اور پریکٹس کے سہارے پروان چڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تھیوری کو سیکھنے اور اس میں کاملیت حاصل کرنے کے لئے لوگ برس

ہا بس حتیٰ کہ اپنی پوری زندگی صرف کر دیتے ہیں۔

عین ممکن ہے کہ یہی وجہ تھی کہ خسرو نے اس وقت اپنے آپ کو ایک مسلمہ موسیقار کی حیثیت سے اس وقت پیش کیا جبکہ ان کی عمر 36 یا 37 برس تھی۔ اس کی کوئی بھی وجہ رہی ہو...... خسرو نے اس قدر بہتر انداز میں موسیقی کے میدان میں دسترس حاصل کی کہ انہوں نے ایرانی موسیقی کو ہندوستانی موسیقی میں مدغم کیا اور اس قدر سریلی اور میٹھی دھنیں ترتیب دیں کہ مولانا شبلی نے درج ذیل حوالہ پیش کیا:۔

> ''امیر خسرو نے نہ صرف ''طبلہ'' اور ''ستار'' ایجاد کی...... موسیقی کے دو بڑے آلات۔ خسرو پر تحریریں پیش کرنے والے بہت سے لکھاری یہ بھی کہتے ہیں کہ ''قوالی'' بھی ان کی ایجاد تھی اور ان کا آغاز بھی امیر خسرو نے ہی کیا تھا...... کیونکہ وہ ان کے ذریعے اپنی شاعری کی گلوکاری کرتے تھے اور اپنے آلات موسیقی بروئے کار لاتے تھے''۔

ان حقائق کی تصدیق اس صدی کے عظیم ترین ستار نواز روی شنکر اور اس صدی کے عظیم ترین قوال نصرت فتح علی خان نے بھی کی تھی۔ روی شنکر کے بقول...... یہ ایک حقیقت ہے کہ ستار امیر خسرو نے ایجاد کی تھی۔ خسرو نے اسے سہ تار یعنی تین تاروں کی شکل میں پیش کیا تھا اور انہوں نے تاروں کی ترتیب نو بھی سرانجام دی تھی۔

امیر خسرو نے بذات خود اس امر کا اعتراف کیا تھا اور اپنی ایک کتاب میں اس کے بارے میں تحریر بھی کیا تھا...... جیسا کہ ڈاکٹر وحید مرزا بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر خسرو محل کی ایک پارٹی میں ایک مقابلے سے ہمکنار ہوئے تھے۔ یہ پارٹی شہزادہ قیصر کی جانب سے ترتیب دی گئی تھی۔ اس پارٹی میں، انہیں اپنے موسیقی کے فن کا مظاہرہ اس دور کے ایک مشہور موسیقار کے خلاف کرنا تھا جس کا نام گوپال تھا۔

امیر خسرو نے نہ صرف غلط دھن کی تصحیح سرانجام دی جو دھن اس نام نہاد مشہور و معروف موسیقار نے ترتیب دی تھی بلکہ اپنی نئی دھنیں بھی پیش کیں اور انہوں نے اپنی رومانوی شاعری کی بہت سی نظمیں بھی پیش کیں۔ یہ نظمیں انہوں نے اپنی کتاب ''قیصر خان اور دیول رانی'' سے لی تھیں...... وہ ستار بجا رہے تھے اور اس عمل میں اس قدر محو تھے کہ وہ وقت گزرنے کے احساس سے بے نیاز ہو چکے تھے اور ان کے علم میں نہ تھا کہ انہوں نے کس قدر نظموں کی

گلوکاری سرانجام دی تھی اور انہیں یہ بھی احساس نہ تھا کہ تمام تر سامعین اور شہزادہ قیصر خان محل کے ہال میں ان کی تعریف و توصیف سرانجام دینے کے لئے کھڑے تھے۔ اس پرفارمنس کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے شہنشاہ نے امیر خسرو کو "نائک" کے خطاب سے نوازا تھا جو اس دور کا اعلیٰ ترین سرکاری اعزاز تھا۔

ڈاکٹر وحید مرزا کے بقول جو امیر خسرو کے سوانح نگار ہیں کہ اس صدی کے ایک مایہ ناز اور سکے بند موسیقار واجد علی شاہ نے اپنی کتاب "صوت المبارک" میں تحریر کیا تھا کہ امیر خسرو نے نئی دھنیں بھی ایجاد کی تھیں اور ان دھنوں میں ترانہ...... ٹھمری...... چاند...... پربینڈ...... گیت...... قوال...... نقش...... اور گل وغیرہ شامل تھیں۔

یہاں پر امیر خسرو کی موسیقی کے میدان میں ذہانت کا مختصر بیان اس امر کا ثبوت بھی ہے کہ امیر خسرو نے جب بھی اور جہاں بھی اپنی اس ذہانت کا مظاہرہ کیا...... انہوں نے جوق در جوق لوگ اکٹھے کئے۔ اس وقت کے معاشرے کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ جن میں ہندو...... مسلمان...... اور بدھ مت کے پیروکار بھی شامل تھے جوق در جوق ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوتے تھے اور یہ پلیٹ فارم اتفاق و اتحاد اور انسانیت کا پلیٹ فارم تھا اور وہ ہر قسم کے امتیاز اور تفریق کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اکٹھے ہوتے تھے اور یہ ایک ایسی کاوش تھی جو امیر خسرو سے قبل کسی نے سرانجام نہ دی تھی۔

جناب ضیاء الدین برنی...... امیر خسرو کے دور کے ہم عصر تاریخ دان...... انہوں نے کہا تھا کہ "امیر خسرو اور حسن سنجری دونوں بہت اچھے دوست تھے اور وہ دونوں میرے بھی بہت اچھے دوست تھے.. ہم باقاعدگی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے اور ہم فیملی فرینڈز بھی تھے"۔

امیر خسرو ہمیشہ کوئی نئی چیز تخلیق کرنے کی سوچ میں غرق رہتے تھے۔ وہ اس معاشرے کے لئے اور اس معاشرے کے لوگوں کے لئے کوئی مثالی چیز تخلیق کرنا چاہتے تھے...... وہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کام سرانجام دینے کی سوچوں میں ڈوبے رہتے تھے...... وہ اپنی کمیونٹی کی زیادہ سے زیادہ خدمت سرانجام دینا چاہتے تھے۔

امیر خسرو کی رگوں میں اپنی والدہ کی جانب سے ہندو خون گردش کر رہا تھا کیونکہ وہ ایک نومسلم وزیراعظم عماد الملک کی بیٹی تھی۔ وہ اپنے باپ کی جانب سے ایک ترک مسلمان تھے۔

ان دنوں بہت سے شاعر اور مفکرین تھے...... لیکن امیر خسرو ہر لحاظ سے ان میں بہترین تھے جنہوں نے دو مختلف ثقافتیں باہم اکٹھی کی تھیں...... اور وہ ایک قوم کی تعمیر کے سلسلے میں یہ سب کچھ کر رہے تھے...... ایک کمیونٹی تشکیل دینے کے سلسلے میں یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ امیر خسرو جیسے لوگ صدیوں بعد جنم لیتے ہیں۔ تاریخ میں کسی دوسرے امیر خسرو کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

امیر خسرو ایک کٹر مسلمان تھے۔ وہ باقاعدگی کے ساتھ عبادت کرتے تھے...... روزے رکھتے تھے...... زندگی سے لطف اندوز ہوتے تھے...... وہ ایک ذمہ دار خاوند تھے...... ایک ذمہ دار باپ تھے...... ایک بااعتماد دوست تھے...... ایک مفکر تھے...... ایک مثالی شاعر تھے...... اور ایک بلند پایہ موسیقار تھے...... ان کو گلیوں بازاروں سے لے کر محلات تک پسند کیا جاتا تھا۔

* *

باب نمبر 7

- نئی زبان اردو کی ایجاد کے سلسلے میں امیر خسرو کے تجربات
- امیر خسرو کی شہروں اور دیہاتوں میں چہل قدمی
- امیر خسرو نے مساوی مواقع کی بنیاد رکھی۔
- نسلی اور مذہبی مساوات مابعد آنے والے حکمرانوں کے لئے مثلاً مغل حکمران
- خسرو بطور شاعر اور ڈرامہ نویس

◆ ◆

اب تک ہمارے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ امیر خسرو نے بہت سے شہنشاہوں شہزادوں...... اعلیٰ عہدیداروں اور طاقتور جنگجوؤں کی خدمات سرانجام دی تھیں اور اس کے علاوہ بہت سے مثالی روحانی رہنماؤں کی خدمات سرانجام دی تھی اور انہوں نے یہ خدمات اپنی مثالی شاعری کے ذریعے سرانجام دی تھیں۔ انہوں نے شاعری میں اپنا ایک منفرد اسٹائل تخلیق دیا تھا اور اپنے سابقہ مشہور و معروف مفکرین اور شاعروں سے بہتر ثابت ہوئے تھے۔ مثلاً مولانا نظامی خاقانی...... نذیری...... حافظ اور سعدی وغیرہ جو ایرانی اور عربی مفکرین اور شاعر تھے اور ان کا تعلق وسطی ایشیا اور مشرق وسطی کے ممالک سے تھا۔ انہوں نے اپنی آپ کو نہ صرف تلوار کے میدان میں منوایا تھا بلکہ کئی ایک دوسرے میدانوں میں بھی منوایا تھا۔

امیر خسرو نے نہ صرف شہنشاہوں اور شہزادوں کی بہترین خدمات سرانجام دی تھیں بلکہ ان تمام افراد کی بہترین خدمات سرانجام دی تھیں جو ان کے بہی خواہ تھے۔ انہوں نے دو عظیم ثقافتوں کے درمیان بہترین کردار ادا کیا تھا...... دو عظیم قوموں کے درمیان بہترین کردار ادا کیا تھا...... اور حکمرانوں اور رعایا کے درمیان بہترین کردار ادا کیا تھا...... اور ریاست اور روحانی عناصر کے درمیان بہترین کردار ادا کیا تھا۔

انہوں نے اپنی شاعری...... نثر نگاری...... موسیقی اور ذاتی کاوشوں کے ذریعے ایک ملک اور ایک کمیونٹی کے لئے ایک نیا ادب اور ثقافت تخلیق کی تھی۔

اگرچہ انہوں نے اپنے ادب کے لئے بہت کچھ کمایا تھا...... اپنی ثقافت کے لئے بہت کچھ کمایا تھا...... اپنے حکمرانوں کے لئے بہت کچھ کمایا تھا...... اپنی مقبولیت اور عزت واحترام کے لئے بہت کچھ کیا تھا...... لیکن حقیقی ملکی عوام کے بارے میں کیا خیال ہے...... حقیقی ہندوستانیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو ملک اور قوم کے لئے حقیقی روٹی کمانے والے تھے۔

امیر خسرو نے کبھی بھی سست روی کا مظاہرہ نہ کیا تھا۔ جب کبھی بھی خسرو کسی گلی یا بازار سے گزر رہے ہوتے تھے۔ جب کبھی بھی وہ کسی مالی سے بات چیت کر رہے ہوتے تھے...... کسی حجام سے بات کر رہے ہوتے تھے...... کسی کسان سے بات کر رہے ہوتے تھے کسی دوکاندار سے بات کر رہے ہوتے تھے...... کسی باغ یا پارک میں کسی عام آدمی سے بات کر رہے ہوتے تھے...... وہ ہمیشہ اس سوچ کے زیر اثر ہوتے تھے کہ ان سب کو کیسے ایک دوسرے کے قریب تر لایا جا سکتا ہے۔

امیر خسرو یہ محسوس کرتے تھے کہ فارسی...... عربی اور ترکی زبانیں بہت دلچسپ تھیں اور اپنے ادب اور ثقافت کے لحاظ سے بھی گراں قدر تھیں لیکن وہ امراء...... طاقتوروں اور اعلیٰ حکام کے لئے تھیں۔ وہ ہمیشہ یہ سوچتے تھے کہ:۔

''سنسکرت اور دوسری زبانوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟''۔

عام غریب لوگوں کی اکثریت کے بارے میں کیا خیال ہے جو محرومی کا شکار تھے۔

یہ سوچیں انہیں اس وقت شہر میں چہل قدمی کرنے اور دیہاتوں میں چہل قدمی کرنے پر مجبور کرتی تھیں جب وہ شاہی ہلے غلے سے دور ہوتے تھے اور وہ مقامی لوگوں کے ساتھ باہم روابط ہوتے تھے۔ وہ روزمرہ زندگی کو قریب سے دیکھنے کے موقع سے مستفید ہوتے تھے۔ وہ دستکاروں...... پیشہ ورانہ نوعیت کے حامل افراد سے ملتے تھے...... ان کی زبان سے استفادہ حاصل کرتے تھے...... ان کی شریفانہ فطرت کا مطالعہ کرتے تھے...... سب سے بڑھ کر ان کی اس حقیقی محبت کا مظاہرہ دیکھتے تھے جو وہ اپنی فیملیوں کے لئے رکھتے تھے...... ان کی اس محبت کو دیکھتے تھے جو وہ اپنے ہمسایوں کے لئے رکھتے تھے اور اس امن و امان اور ہم آہنگی کو دیکھتے تھے جو ان میں پائی جاتی تھی۔

امیر خسرو محسوس کرتے تھے کہ وہ حقیقی لوگ تھے اور ان لوگوں کے لئے انہیں کچھ نہ کچھ کرنا تھا اور ان کی آواز سننی تھی۔ مزید برآں امیر خسرو جس وقت موسیقی سیکھ رہے تھے اس وقت انہوں نے محسوس کیا کہ ''سنسکرت'' زبان کا استعمال بھی محدود تھا، اور یہ زبان محض ہندو پنڈتوں تک ہی محدود تھی اور یہ زبان امیر خسرو کی معاون ثابت نہ ہو سکتی تھی کیونکہ روزمرہ زندگی کی زبانیں اور روزمرہ استعمال ہونے والی زبانیں مختلف علاقوں میں مختلف واقع ہوئی تھیں۔

پنجاب...... کشمیر...... گجرات اور راجستھان میں ہر جگہ مختلف زبانیں رائج تھیں اور مختلف تلفظ رائج تھے۔ حتیٰ کہ اب بھی 21 ویں صدی میں ہندوستان میں 400 سے زائد زبانیں رائج ہیں۔

اس لئے امیر خسرو کو تمام زبانیں یا زیادہ تر زبانیں سیکھنی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ملی جلی نئی زبان تخلیق کی۔ انہوں نے چند الفاظ فارسی زبان سے لئے...... چند الفاظ عربی زبان سے لئے...... چند الفاظ ترکی زبان سے لئے...... چند الفاظ دیگر مقامی زبانوں سے لئے مثلاً سنسکرت اور دیگر زبانوں سے لئے۔ انہوں نے نئی زبان کو ہندوی کا نام دیا۔ کچھ لوگ ایسے گنگا۔ جمنا زبان بھی کہتے تھے کیونکہ اس نے اسی علاقے سے جنم لیا تھا۔

یہ وہ زبان تھی جو آج کل اردو بن چکی ہے۔ یہ امیر خسرو کی ایک اور ایجاد تھی اور ادب کی ایک اور خدمت تھی اور اس کے علاوہ ہندوستان پاکستان برصغیر کی ثقافت کی ایک اور خدمت تھی۔

خسرو اپنی نئی ایجاد سے بہت خوش تھے اور اس پر بہت زیادہ فخر کرتے تھے کیونکہ انہوں نے:۔

1۔ ہندوستانی ثقافت اور ادب میں کسی نئی چیز کا اضافہ کیا تھا۔
2۔ وہ معاشرے کے تمام طبقوں کو باہم اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔
3۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے ان غریب لوگوں اور محنت کش لوگوں کو ایک نئی آواز دی تھی جو ان کے ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔

امیر خسرو اپنی اس نئی زبان کی ایجاد پر اس قدر فخر کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک مصری نے عربی زبان میں ان سے کچھ پوچھا تھا لیکن امیر خسرو نے ہندوی زبان میں اسے جواب دیا تھا۔ انہوں نے اس مصری کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

"میں ایک ہندوستانی ترک ہوں اور میں اپنی ہندوی میں جواب دوں گا کیونکہ میری پاس مصری چینی نہیں ہے کہ میں عربی بول سکوں"۔

کیا خوبصورت اور حیران کن طریقہ تھا جس کے تحت غیر ملکیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی کہ وہ ان کی ہندوی زبان سیکھیں...... اور اپنی زبان اور اپنے ملک کی کیا خوب سرپرستی سرانجام دی گئی تھی!

میں نے ایک علیحدہ باب میں اس قسم کی کئی ایک مثالوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مہربانہ دل اور درست ذہن کے حامل نظریے کے اثرات اس قدر عظیم تھے کہ مابعد مغلوں نے اپنی سلطنت کے امن و امان اور خوشحالی سے لطف اندوز ہونے کے لئے امیر خسرو کے اصولوں کو اپنایا تھا بالخصوص اکبر اعظم کے دور حکومت کے دوران۔

خسرو نے اپنی نئی زبان کو بے یار و مددگار نہ چھوڑا تھا بلکہ انہوں نے اس کی نشوونما اور ترقی سرانجام دی تھی اور اپنی مثالی شاعری کے ذریعے اسے پروان چڑھایا تھا۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے خسرو کی ہندوی شاعری کی تخلیق کاری کا ایک حیران کن تذکرہ پیش کیا ہے...... اس کی مثالیں ایک علیحدہ باب نمبر 10 میں پیش کی گئی ہیں۔

اگرچہ خسرو نے بہت زیادہ شاعری اپنی نئی زبان میں تحریر کی تھی لیکن مقام افسوس ہے اس کا زیادہ تر حصہ کھو چکا ہے۔ اس زبان کا مضبوط ترین زبانوں مثلاً فارسی اور عربی زبانوں کے ساتھ عظیم مقابلہ تھا یا پھر امیر خسرو کے پاس اس قدر وقت نہ تھا کہ وہ نئی زبان میں اپنی نئی شاعری کا مجموعہ محفوظ رکھ سکتے۔

تاہم تمام تر رکاوٹوں کے باوجود بھی نسل تا نسل کے منہ کی وساطت سے اور پروفیسر نارنگ جیسے ماہرین تعلیم کی وساطت سے امیر خسرو کی نئی زبان اور ان کی شاعری کا نیا اسٹائل پروان چڑھا ہے۔

خسرو کی فارسی کی شاعری میں نامور افراد...... تاریخی مقامات...... تاریخی واقعات...... اعلیٰ عہدیداروں...... اور طاقتور افراد کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ محاذ آرائیوں اور ریشہ دوانیوں کا بھی احاطہ کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ شاعری کی مختلف طرزوں کے تحت سرانجام دیا گیا ہے۔ مثلاً غزل...... قصیدہ ...... رباعیت...... مثنوی...... سلام یا قوالی وغیرہ...... وغیرہ لیکن نئی زبان میں انہوں نے بالکل مختلف اسٹائل تخلیق کیا تھا۔

آیئے میں آپ کو ایک اور مثال پیش کروں جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ امیر خسرو اپنی ہندوی زبان کے مقابلے میں غیر ملکی زبانوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ایک ترک خاتون سے ہم کلام ہوئے تھے جسے خسرو نے فرمایا تھا کہ:۔

> ''میری ڈارلنگ ترکی بولتی ہے لیکن میں ترکی زبان نہیں جانتا یہ کس قدر خوش کن امر ہوتا اگر اس کی زبان میرے منہ میں ہوتی (یعنی اگر میں اس کی زبان بول سکتا)''۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خسرو ترکی زبان نہیں جانتے تھے۔ وہ کسی کی دل آزاری کئے بغیر محض اپنی زبان کی سرپرستی سرانجام دے رہے تھے۔

امیر خسرو کی زیادہ تر فارسی شاعری نامور اور پُرقوت اور اہم شخصیات کے لئے تھی۔ یہ مختلف تقریبات کے مواقع پر تحریر کی گئی تھی۔ اسے شاہی تقریبات کے لئے تحریر کیا گیا تھا اور اسے مخصوص اجتماعات کے دوران محلات میں پیش کیا گیا تھا۔ اس شاعری کی ۹۹ کتب ہیں اور ان میں سے بہت سی کتب کا سراغ ہندوستان...... پاکستان...... ایران اور برطانیہ میں مل سکتا ہے۔

لیکن خسرو کی نئی شاعری اس کی نئی زبان میں...... اس کا ملنا بے حد مشکل ہے۔ جو کچھ بھی ہمارے پاس پہنچا ہے وہ نسلوں کے ذریعے پہنچا ہے یا دوسرے مصنفین کی حوالہ جاتی کتب کے ذریعے پہنچا ہے اور ماہرین تعلیم کے ذریعے پہنچا ہے۔ ان پنڈتوں اور مفکرین نے خسرو کی نئی شاعری کو نئے نام عطا کئے ہیں۔ مثلاً:۔

دوہی (Dohae)
ڈھکوسلی (Dhakosley)

لیکن اس کو کوئی نام ہی کیوں نہ دیا جائے میں اسے ''عوامی گفت و شنید کی شاعری'' ہی کہوں گا۔ کیونکہ اس شاعری کے لئے خصوصی اہتمام نہ کیا گیا تھا۔ اسے کسی خصوصی تقریب کے لئے تحریر نہ کیا گیا تھا...... اسے کسی خصوصی پلیٹ فارم سے پیش نہ کیا گیا تھا اور نہ ہی شاہی محلات سے پیش کیا گیا تھا۔ وہ عام لوگوں کے لئے تھی اور پوری عوام کے لئے تھی...... خسرو جہاں کہیں بھی ہوتے اور جس کسی کے ساتھ ہوتے...... وہ شاعری ان سب کے لئے تھی۔

شاعری کی ان محفلوں کو خواہ کوئی سا نام کیوں نہ دیا جائے یا عام لوگوں کے ساتھ کسی

تقریب کا عنوان ہی کیوں نہ دیا جائے امیر خسرو درج ذیل مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوئے تھے:۔

1۔ کمیونٹی کو باہم اکٹھے کرنے کے مقصد میں کامیاب ہوئے تھے۔
2۔ اپنی شاعری کے دروازے ہر کس و ناقص کے لئے کھولنے میں کامیاب ہوئے تھے۔
3۔ عوام میں شاعری میں دلچسپی ابھارنے میں کامیاب ہوئے تھے۔
4۔ وہ غریبوں اور محنت کش عوام کی قابل رحم حالت کو اجاگر کر رہے تھے جن کی کوئی آواز نہ تھی...... کوئی شنوائی نہ تھی...... اور کوئی حقوق نہ تھے۔

خسرو کی ذو معنی شاعری (ترجمہ) کی ایک مثال پیش کی جا رہی ہے۔

خسرو ایک مرتبہ ایک نہر کے کنارے پر سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک خوبصورت ہندی عورت کو دیکھا اور کہا کہ:۔

> ''میں ایک نہر کے کنارے سے گزر رہا تھا جہاں میں نے ایک خوبصورت ہندو عورت دیکھی۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے چمکدار خوبصورت بالوں کی کیا قیمت تھی اس نے جواب دیا کہ:۔
> بکواس بند کرو نالائق شخص''۔

خسرو حقیقی ہندوستانی خوبصورتی کو داد تحسین پیش کر رہے تھے لیکن حقیقت میں وہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے ادبی اضافے میں بھی مصروف تھے۔ عورت ایک اجنبی کو ملامت کرنے میں حق بجانب تھی یہ کہتے ہوئے کہ:۔

''دُر...... دُر...... موئے''۔

اس کے معانی یہ ہیں کہ:۔

''ہر بال کے لئے ایک موتی''۔

کیونکہ ''دُر'' کا مطلب ہے موتی اور ''موئے'' کا مطلب ہے ''بال''...... شاعری کا ایک مثالی بند...... ادب کے لئے نئے معانی تخلیق کرنے کا ایک حیران کن اسٹائل جبکہ خوبصورتی اور ماحول کو کسی تعصب کے بغیر داد تحسین پیش کی جا رہی ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات تھے جو امیر خسرو نے تحریر کئے تھے اور اپنے مثالی اسٹائل میں تحریر کئے تھے۔ کبھی کبھار وہ مقامی الفاظ کی آمیزش بھی کرتے تھے یا فارسی میں اپنے ہندوی الفاظ کی آمیزش کرتے تھے

اور کبھی کبھار وہ تمام تر ہندوی الفاظ استعمال کرتے تھے اور تھوڑی بہت مقامی زبان کی آمیزش کرتے تھے۔

ان کا مشن یہ تھا کہ نہ صرف اپنی نئی زبان کو فروغ دیا جائے بلکہ اپنی ثقافت کی حقیقی تصویر بھی پیش کی جائے اور شاعری میں دلچسپی پیدا کی جائے اور اسے پُرلطف بنایا جائے جو کہ غریب عوام کے لئے ایک شجر ممنوعہ تھی۔ یہ ایک نیا پل تھا۔ جو خسرو امیر اور غریب کے درمیان تعمیر کر رہے تھے۔

خسرو امراء اور طاقت ور اور با اختیار لوگوں کی کافی تعظیم سرانجام دے چکے تھے، لیکن اب وہ ان لوگوں کے لئے تفریح اور خوشیاں مہیا کر رہے تھے جنہوں نے زندگی کا یہ رخ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کسان...... حجام...... جولاہے...... کمہار...... دوکان دار...... خواتین...... معمر افراد...... نوجوان افراد...... یہ تمام لوگ ان کی شاعری سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ان نغموں کو گاتے جو انہوں نے ان کے لئے لکھے تھے اور ان کی قابل رحم حالت کو ان نغموں کے ذریعے اجاگر کیا گیا تھا تاکہ ان کی شنوائی ہو سکے اور ان کی موجودگی کا علم ہو سکے۔

اپنی نئی زبان کو فروغ دینے کے اپنے تجرباتی مراحل کے دوران...... خسرو نے انتہائی ہوشیاری کے ساتھ عام الفاظ عام مقامی زبان سے منتخب کئے جو لوگوں کی کثیر تعداد کے عام استعمال میں تھے۔ اس کے بعد انہیں نہ صرف اپنے اردگرد کے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے استعمال کیا بلکہ ایک نیا طریقہ...... ایک نیا اسٹائل اور ایک نیا نظریہ تخلیق کیا اور اس کے ذریعے انسانی اقدار کا پیغام پہنچانے کا کام کیا۔

ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ خسرو نے کیسے ہندوستانی زندگی کی حقیقی تصویر کو اجاگر کیا تھا...... ایک حقیقی ثقافتی پہلو جو کہ برصغیر کی دیہاتی زندگی میں آج کل بھی زندہ ہے۔

ایک مرتبہ وہ ایک ایسے علاقے سے گزر رہے تھے جو خوبصورت حد تک سرسبز تھا...... اس پر کئی اقسام کی سبزیاں کاشت کی گئی تھیں اور کئی دوسری فصلیں بھی کاشت کی گئی تھیں لیکن وہاں پر پینے کا پانی دستیاب ہونے کی کوئی علامت نظر نہ آتی تھی۔ قریب ہی انہوں نے ایک پنگھٹ (Panghat) دیکھا۔ پنگھٹ ایک خصوصی جگہ ہوتی ہے جہاں پر پینے کا پانی

ذخیرہ کیا جاتا ہے۔

امیر خسرو اس مقام کی جانب چلے آئے اور انہوں نے دیکھا کہ کچھ خوبصورت نوجوان خواتین اپنی گاگریں (بڑے دھاتی برتن جو پانی بھرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں) بھرنے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے ان خواتین کو بتایا کہ وہ پیاسے تھے اور انہیں پینے کے لئے کسی قدر پانی درکار تھا۔

ان دلکش خواتین میں سے ایک نے امیر خسرو کو پہچان لیا تھا اور وہ اپنی ساتھی خواتین کو بتا رہی تھی اور بآواز بلند کہہ رہی تھی کہ:۔

"دیکھو......کون آیا ہے! یہ امیر خسرو ہیں عظیم شاعر"۔

اس کے بعد اس نے امیر خسرو سے کہا کہ وہ جس قدر پانی چاہیں پی سکتے ہیں لیکن پہلے وہ اپنی کچھ شاعری سنائیں۔

خسرو نے کہا کہ:۔

"بے شک"

لیکن انہوں نے کہا کہ:۔

> "ہم وہ کچھ نہیں سنیں گے جو کچھ آپ ہمیں سنانا چاہیں گے بلکہ وہ کچھ سنیں گے جو کچھ ہم سننا چاہتے ہیں اور جس طریقے سے ہم سننا چاہتے ہیں ہم اسی طریقے سے سنیں گے"۔

خسرو نے کہا کہ:۔

"درست ہے"۔

اس کے بعد ان میں سے ایک خاتون نے ایک لفظ "کھیر" دیا۔ دوسری خاتون نے ایک اور لفظ "چرخا" دیا اور تیری خاتون نے لفظ "کتا" دیا اور چوتھی خاتون نے لفظ "ڈھول" دیا اور اس کے بعد ان تمام خواتین نے خسرو سے کہا کہ وہ ان الفاظ سے ان کے لئے نظم تخلیق کریں جس میں یہ تمام الفاظ شامل ہوں اور اسی صورت میں وہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے پانی حاصل کر سکتے ہیں۔

خسرو نے مزید تفصیل میں جانے یا بحث کرنے کی بجائے کہا کہ (ترجمہ):۔

> "اگرچہ ہزار جتن کر کے کھیر پکائی تھی اور چرخا بھی گھوم رہا تھا، لیکن کتا

آیا اور کھیر چٹ کر گیا۔ اب تم محض آرام سے بیٹھو اور ڈھول بجاؤ''۔

وہ خواتین اس نظم کو سن کر از حد خوش ہوئیں اور خسرو کو پانی بھی پلایا لیکن اس نظم میں اخلاقی پیغام کے علاوہ پارسائی کا پیغام بھی پنہاں تھا جو خسرو نے بہم پہنچایا تھا اور نہ صرف ان خواتین کو بلکہ ملک بھر کی خواتین کو پہنچایا تھا۔

کھیر سے خسرو کا مطلب تھا کہ نیکی اور عبادات کا انعام جس کے لئے کسی کو چرخا کاتنا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جسمانی مشقت سرانجام دینی پڑتی ہے۔

لفظ ''کتا''...... خسرو کی نظروں میں اس کا مطلب ہے غرور و تکبر اور تعصب جو کہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے اور چونکہ اس کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہتا ماسوائے ''ڈھول''...... مطلب یہ زبانی کلامی اور بآواز بلند باتیں اور بڑی بڑی تقاریر وغیرہ۔

حقیقت میں خسرو یہ بتا رہے تھے کہ اگر کسی نے نیکی کمانی ہے تب اسے نیکی کمانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے اور اس کے لئے کوئی شرط عائد نہیں کرنی چاہیے اور کسی تعصب کے بغیر نیکی کمانی چاہیے اور کیا خوب طریقہ تھا کہ شاعری کے ذریعے انسانیت کا پیغام گھر گھر پہنچایا جائے اور شاعری اسٹائل اور ظرافت دونوں کی حامل ہو۔

اگرچہ امیر خسرو دہلی کے شہنشاہوں کے درباری شاعر تھے اور وہ ان کے وظیفہ خوار بھی تھے اور انہوں نے ان سے اراضی بھی لے رکھی تھی اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل بھی ان کی وساطت سے ممکن تھی اور اگرچہ وہ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے...... انہیں نہ ہی درباری شاعر کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی صوفی شاعر کہا جا سکتا ہے۔

ان کا تخلیقی کام درباری اور مذہبی ادب دونوں کی حدود پار کر چکا تھا۔ ان کا تخلیقی کام لوگوں سے متعلق تھا۔ وہ اپنے ہم عصروں کی زندگی...... سوچ...... اور خوابوں کی عکاسی کرتے تھے۔ ان کا تخلیقی کام ان کے آبائی ملک ہندوستان سے متعلق ہے۔

اپنی کتاب شہرِ آشوب (Sher-e-Ashobe) میں...... خسرو حتیٰ کہ ہندوستان کے پرندوں کی بھی تعریف کرتے ہیں بالخصوص ''مور'' کی تعریف سرانجام دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

''یہ جنت کا پرندہ ہے اور ہندوستان کے علاوہ دنیا میں کہیں نہیں پایا جاتا''۔

''کوے'' کے بارے میں خسرو کہتے ہیں کہ:۔

"آنے والے کل کا قاصد ہے"۔

"گھوڑے" کے بارے میں خسرو کہتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان کا یہ جانور نہ صرف دوڑیں جیتتا ہے اور جنگیں جیتتا ہے
بلکہ موسیقی پر رقص بھی کرتا ہے"۔

ہندوستانی پھولوں کے بارے میں خسرو کہتے ہیں کہ:۔

"اہل روم ان کی خوبصورتی اور میٹھی میٹھی خوشبو کی وجہ سے ان سے حسد
کرتے ہیں"۔

"بگلا" امیر خسرو کی تیز آنکھوں اور ماحول سے محبت کی ایک اور مثال ہے۔ خسرو کی نظروں میں یہ پرندہ بہت زیادہ دھوکے باز ہے۔ یہ اکثر جھیل یا تالاب کے کنارے پر بیٹھا ہوتا ہے اور سطح آب پر نمودار ہونے والی چھوٹی مچھلیوں کے انتظار میں رہتا ہے۔ خسرو اس پرندے کی فطرت کا موازنہ ہندو سادھو یا مسلمان ملاں کے ساتھ کرتے ہیں جواب بھی سادہ دل عوام کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ خسرو "بگلے" کو "بگلا بھگت" کہتے ہیں۔ یہ خسرو کی اپنے لوگوں اور انسانیت کے بارے میں کھلے ذہن پر مبنی نظریے کی مثال ہے۔

ان کے فنکارانہ وضاحت کے ذرائع حقیقی ہیں اور وہ لوگوں کی ثقافت اور ادب کے لحاظ سے حقیقی ہیں اور ان میں سے وہ اپنی نظموں کے پلاٹ اخذ کرتے تھے...... نثر نگاری اور ڈراموں کے پلاٹ اخذ کرتے تھے۔

امیر خسرو نے عام لوگوں کی زندگی میں بے پناہ دلچسپی کا اظہار کیا تھا بالخصوص اپنی کتاب "اعجاز خسروی" میں۔ یہ کتاب شاعر کی تخلیقی لیبارٹری دکھائی دیتی ہے۔ اس میں شاعری کے علاوہ نثر نگاری بھی سرانجام دی گئی ہے اور شہری تجارت اور تاجروں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کاریگروں کی مہارت بھی بیان کی گئی ہے۔ لوہار تیز ترین تلواریں بنا رہے ہیں۔ تیر بنانے والے تیر بنا رہے ہیں۔ آرٹسٹ...... جولاہے...... درزی غرضیکہ سب لوگ اپنے اپنے کاموں کی سرانجام دہی میں مصروف ہیں۔ انہوں نے امیر تاجروں کا بھی تذکرہ کیا ہے...... وہ تاجر جو کپڑا فروخت کرتے ہیں...... سناروں کا بھی ذکر ہے جن کے دل پتھر سے زیادہ سخت اور سیاہ ہیں۔ ان لوگوں کی کہانیاں حکایات جو خسرو نے اکٹھی کی تھیں اور تحریر کی تھیں انہوں نے حقیقی زندگی کی تصویر تو تخلیق کی تھی اور یہ شہری زندگی کے اسٹائل پر مبنی تھی۔

امیروں کے بارے میں خسرو کے علم اور ان کے ساتھ خسرو کی محبت کا تذکرہ ایک اور کتاب میں موجود ہے جو ”چیستان“ (Sheestan) کہلاتی ہے۔ ان کی فارسی اور ہندوی پہیلیوں کا مجموعہ ہے اور ایک اور کتاب ”ہشت بہشت“ اس کتاب میں ہندو دیو مالا کا قصہ ہے۔

امیر خسرو نے زیادہ تر کام فارسی زبان میں سرانجام دیا تھا کیونکہ یہی زبان محلات اور شاہی درباروں میں رائج تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ قصبوں اور دیہاتوں میں بولی جانے والی زبان بھی پسند کرتے تھے اور انہوں نے اس زبان میں بھی لاتعداد شاعری سرانجام دی تھی اور ایک کتاب کی شکل میں پیش کی تھی۔ اس کتاب کا نام ”شہر آشوب“ (Sher-e-Ashobe) ہے۔

وہ عام لوگوں کی ثقافت سے محبت کرتے تھے اور ان کی تخلیقی اہلیتوں کے قدردان تھے اور انہیں داد تحسین پیش کرتے تھے...... وہ ان کی مشکل پر کڑھتے تھے۔

”بادشاہ کے تاج کا ہر ایک موتی غریب کسانوں کی آنکھوں سے ٹپکا ہوا وہ قطرہ خون ہے جو سخت ہو چکا ہے“۔

(اس کا حوالہ جناب حسن الدین احمد، جنرل سیکرٹری، قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا نے دیا تھا اور یہ امیر خسرو کی مثنوی ”عشقا“ (ASHIQA) کے صفحہ نمبر 197 پر درج ہے)

وہ ظلم کی مذمت سرانجام دیتے تھے۔ انا پرستی کی مذمت سرانجام دیتے تھے...... وہ اس نکتہ نظر کے حامل تھے کہ انسان کے ساتھ محبت کرنی چاہیے اور ضرورت مندوں کی مدد کرنی چاہیے۔

امیر خسرو حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے اور بذات خود بھی ایک صوفی بزرگ تھے۔ وہ اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ حکمرانوں کو نیک مشورہ دینا ان کا فرض تھا۔ وہ ان کو انصاف کرنے اور رحم کرنے کا درس دیتے تھے۔

”اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی قوت اور طاقت میں اضافہ ہو تب آپ اس کی بنیاد لوگوں کی جانب بہتر رویوں پر استوار کریں۔ اگرچہ باغیوں کو کچل کر رکھ دو لیکن دوسرے لوگوں پر رحم کھاؤ۔ اپنی سوچ کو فعال رکھو اور اپنی تلوار کو سلائے رکھو۔ لوگ شہنشاہ سے دوسروں کی ناانصافی کی شکایت کرتے ہیں، لیکن اگر شہنشاہ بذات خود ناانصاف ہو تب وہ اپنی شکایت لے کر کس کے پاس جائیں؟ شہنشاہ کی طاقت انصاف اور ایمانداری پر بنیاد کرنی چاہیے“۔

(امیر خسرو ”کلیات“ صفحہ 14۔ جناب حسن الدین جنرل سیکرٹری قومی امیر خسرو

سوسائٹی صفحہ 197)

خسرو اپنے انسانیت اور جمہوریت کے آئیڈیا پر سخت زور دے رہے ہیں اپنی نظم ''دیورانی۔ قیصر خان'' میں انسانی عظمت اور وقار کا تذکرہ کرتے ہوئے...... جہاں پر وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

''شہنشاہ کسی مختلف مٹی سے نہیں بنائے گئے ہیں اور خوشی (نجات) ان کی مراعات میں شامل نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہے...... تب ہمارے درمیان فرق کیوں ہے؟''۔

اگرچہ قدیم ہندوستان کے مذہبی اور فلسفیانہ ادب میں یہ آئیڈیاز بنیادی مراحل میں تھے لیکن خسرو وہ ہستی تھے اور پہلی ہستی تھے جو انہیں منظر عام پر لائے تھے۔ لہٰذا 12 ویں صدی کے ہندوستان میں امیر خسرو انسانی حقوق کی اولین آواز تھے...... کیونکہ مابعد آنے والے برسوں کے دوران مسلم صوفی تحریکوں اور ہندو بھکٹی رجحانات...... اگرچہ ان میں اختلافات تھے لیکن ان اختلافات کے باوجود بھی انہوں نے جاگیرداروں کی مخالفت میں آواز بلند کی تھی اور سماجی مطالبات پیش کئے تھے۔

◆ ◆

باب نمبر 8

- ☆ امیر خسرو بطور اردو زبان کے موجد اور برصغیر کے پہلے اردو کے شاعر
- ☆ خسرو بطور بابائے اردو
- ☆ ان کی پہیلیاں...... ان کی سخن سازی...... ان کی ذو معنی باتیں...... ان کا اسٹائل...... ان کے بند
- ☆ خسرو کی زندگی کے اہم واقعات
- ☆ سوانح عمری پر مبنی تاریخ

* * *

جیسا پہلے ابواب میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ امیر خسرو کے دور میں ہندوستان میں کئی ایک زبانیں رائج تھیں۔

کیونکہ شاعری کا لوگوں کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا شاعر کو وہی زبان استعمال کرنی پڑتی ہے جو زبان لوگ بولتے ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ امیر خسرو فارسی زبان کے مفکر تھے۔ انہوں نے ترکی زبان اپنے والدین سے سیکھی تھی اور ایک اور زبان ''براج بھاشا'' جو کہ وسطی ہندوستان میں بولی جاتی تھی...... یہ زبان انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں فارسی...... ترکی...... اور عربی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ وہ ایک دربار سے دوسرے دربار میں جاتے رہتے تھے۔ لہٰذا وہ مختلف علاقوں کی مختلف زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

اپنی اس خصوصیت کی بنا پر...... امیر خسرو پہلے شاعر تھے جو ہندوستانی زبانوں (ہندوستانی بولیوں) میں شاعری کرتے تھے۔

وہ بڑی توجہ کے ساتھ خواتین اور بچوں کو سنتے تھے...... کسانوں اور دستکاروں کو سنتے

تھے...... موسیقاروں اور درباریوں کو سنتے تھے۔ ان کے اس عمل درآمد کی وجہ سے ان کے ذخیرہ الفاظ میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا اور مختلف زبانوں پر ان کی دسترس کے حصول میں بھی اضافہ ہوا تھا اور ان زبانوں کے معانی سمجھنے اور سمجھانے کی اہلیت میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ اور اس طرح ان کی شاعری میں مزید نکھار آیا تھا۔ اس طرح ہندوستان کے ساتھ ان کی محبت کا اظہار بھی ہوتا تھا اور ان کے طوطی ہند ہونے کے دعویٰ کو بھی تقویت میسر آتی تھی۔

قرون وسطیٰ کے دور کے جاگیردار عام آدمی سے بہت کم سیکھتے تھے اور ایسے شخص کی مثال بہت کم ملتی ہے جس نے نہ صرف اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے بلکہ اپنے دل کو بھی کھلا رکھا۔

نئی زبان ہندوی کی ایجاد...... یہ عمل درآمد بھی ایک بہت بڑی ادبی اور ثقافتی خدمت تھی لیکن شاعری میں اس کا استعمال اس سے بھی بڑھ کر تھا۔

اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ 16ویں صدی میں اردو مغل سلطنت کی سرکاری زبان قرار پائی اور امیر خسرو کا ادب شاہی فیملیوں کے لئے درسی کتب قرار پایا۔ نہ صرف ملکہ وکٹوریہ کو اردو سیکھنا پڑا۔ اس نے ایک اتالیق منشی کریم سے اردو سیکھا تھا بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسران کو بھی اردو سیکھنا پڑا تھا اور یہ کام 16ویں صدی میں سرانجام دیا گیا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کی غرض سے آئی تھی لیکن اس نے تین صد سے زائد برس تک ہندوستان پر حکومت کی حتیٰ کہ آج کل کے ہندوستان اور پاکستان کو 1947ء میں آزادی میسر آئی۔

آیئے میں آپ کو امیر خسرو کی ہندوی زبان کی نشوونما اور فروغ کے بارے تھوڑے بہت مزید پس منظر سے آگاہ کروں۔

پروفیسر گیان چند۔ جین (خسرو اور خیری بولی...... امیر خسرو کی زندگی اور کام صفحہ نمبر 307) کے بقول:۔

> "امیر خسرو نے اپنی مثنوی "Nuh - Sipehr" میں ہندوستان کی زبانوں کا شمار کیا ہے۔ ان کی اس فہرست میں لاہوری...... اوادائی (Avadai) اور دہلی کے علاقے کی زبان شامل ہے لیکن اس میں براج (Braj) (وہ زبان جو انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھی تھی) کا

> ذکر نہیں ہے۔ 15ویں صدی کے آخر میں شیخ بہاؤالدین بجم اپنی شاعری کی زبان کو "دہلوی" زبان کہتے تھے"۔

16ویں صدی میں ابوفضل (نامور مفکر اور اکبر اعظم کا مشیر)...... اس نے بھی ہندوستان کی زبانوں کی فہرست پیش کی تھی۔ اس نے محض دو زبانوں کا تذکرہ کیا تھا...... دہلوی اور مالواری (راجستھانی)...... اس میں بھی براج (Braj) کا بطور ایک علیحدہ زبان تذکرہ نہ تھا۔ اس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ 13ویں اور 14ویں صدی میں ابنالہ (پنجاب میں) تا آگرہ (دہلی کے قریب) کے بارے میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ محض ایک ہی زبان تھی۔ خسرو کی مادری زبان اور ہو سکتی ہے) تھی لیکن 13ویں صدی کے اختتام تک یہ علاقائی خدوخال کو نمایاں کر رہی تھی۔ چونکہ خسرو کا آبائی مقام آگرہ ڈویژن میں تھا۔ لہٰذا اس مقام کی زبان میں ابتدائی براج زبان کا رنگ ہونا چاہیے تھا۔

خسرو کی زیادہ تر زندگی دہلی میں گزری تھی جس کی زبان جدید خاری بولی (Khari Boli) کی پیش رو تھی۔ اگرچہ دہلی اور آگرہ کی زبان کے تلفظ ان دنوں زیادہ مختلف نہ تھے...... لیکن اس کے باوجود بھی دہلی کا تلفظ پری...... خاری بولی اور آگرہ کا پری...... براج ہونا چاہیے۔

جب ہم امیر خسرو کی ہندی شاعری کی بات کرتے ہیں تب اس کے بارے میں یہ تصور کیا جانا چاہیے کہ وہ خاری بولی براج بولی میں ہونی چاہیے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان دنوں اردو اور ہندی علیحدہ علیحدہ زبانیں نہ تھیں بلکہ ایک ہی زبان تھی۔

ہم سہولت کے پیش نظر خسرو کی خاری بولی/ براج شاعری کو "ہندی" کہہ کر پکارتے ہیں اور اردو کہہ کر نہیں پکارتے (جس نے سلطنت مغلیہ کے دور کے دوران پختگی حاصل کی تھی)۔ اس دور میں کوئی ایسی زبان موجود نہ تھی جو اردو یا ہندی کے نام سے جانی جاتی تھی۔ ہندوی یا ہندی محض ایک لیبل تھا جو کسی بھی انڈو۔ آریان زبان پر چسپاں کیا جا سکتا تھا۔

پروفیسر گیان چند جین یہ کہتا ہے کہ:۔

> "اگر ہم کسی پرانی تحریر کو پڑھیں جس میں یہ تحریر کیا گیا ہو کہ آگرے کے کسی شاعر نے ہندی میں شاعری تحریر کی تھی تب اس کا لازمی طور پر یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ اس نے اس ہندی زبان میں شاعری کی ہوگی

جس کو ہم آج ''ہندی'' کہتے ہیں (آج کل کی ہندوستان کی زبان)''۔

محمد اوفی (Muhammad Oofi)...... ایک مفکر وہ تحریر کرتے ہیں کہ مشہور فارسی شاعر مسعود بن سعد سلمان (515 ہجری)...... انہوں نے تین دیوان پیش کئے تھے...... ایک عربی...... دوسرا فارسی...... اور تیسرا ہندی۔ امیر خسرو نے بھی اپنے دیوان کے پیش لفظ میں یہ تسلیم کیا تھا کہ مسعود کے تین دیوان تھے اور ان میں سے ایک ہندی میں تھا۔

لیکن مسعود بن سعد سلمان لاہور میں تھا اور وہ کبھی وسطی ہندوستان نہیں گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے ادب کا بھی کوئی سراغ نہیں ہے جو کہ غالباً ہندوستان یا اس کی خوبصورت ثقافت کے بارے میں نہ تھا۔ مسعود سلمان کا دیوان ہندی میں ابتدائی ترین لاہور پنجابی کی بطور ہندی یا ہندوی کی نمائندگی کرتا تھا ان دنوں اس کا مطلب کوئی بھی انڈو...... آریان زبان تھا۔

اب پس منظر کے تمام حقائق کو ایک جانب رکھتے ہیں۔ اس کی تصدیق کرنے کے لئے تاریخی حقائق موجود ہیں:۔

1۔ امیر خسرو نے مختلف مقامی زبانوں کو فارسی زبان میں مدغم کرنے کا تجربہ سرانجام دیا تھا۔

2۔ امیر خسرو نے نئی زبان تخلیق کی تھی اور اسے ''ہندوی'' کا نام دیا تھا۔

3۔ امیر خسرو نے اپنی نئی زبان کو اپنی بقا کی جدوجہد سرانجام دینے کے لئے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

4۔ امیر خسرو نے اس میں سچ اور حقیقت کی آمیزش کی تھی اور ہمت اور جرأت کے ساتھ اس کے فروغ میں مصروف رہے تھے۔

5۔ امیر خسرو نے اسے اپنی شاعری میں استعمال کیا تھا تا کہ اس کی نوک پلک سنوار سکیں۔

لہٰذا امیر خسرو آج کل کے اردو کے بابائے اردو تھے...... وہ آج کل کے اردو کے بانی تھے۔ جب کوئی ان کی نظمیں پڑھتا ہے جو زبانی روایات کے تحت محفوظ ہیں...... خسرو کی اعتدال پسندی...... حساسیت...... اور دوررس نظریات ہمیں حیران کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے دور اور اپنے وقت کے روشن خیالی اور احیائے علوم کے پیکر تھے۔

اس کے موضوعات میں دیہاتی عورتیں شامل ہیں جو کنوئیں کے گرد اکٹھی ہوتی ہیں...... جب محبوب جدا ہوتا ہے اس لمحے کے درد کی تھیمیں شامل ہیں...... ایک مسافر کی تنہائی

شامل ہے۔

امیر خسرو کی ہندوی شاعری (فارسی شاعری کی مانند) پہیلیوں...... سخن سازی...... ذو معنی باتوں سے مزین ہے۔

کبھی کبھار خسرو نے اپنی ہندوی کے پہلے چند الفاظ فارسی میں استعمال کئے تھے...... کبھی کبھار مکمل سطر اور آہستہ آہستہ تمام تر نظم کا خاتمہ اپنی نئی زبان میں کیا تھا، لیکن اپنی ہندوی کو فروغ دینے کی تمام تر کوششوں میں انہوں نے نئی طرز...... نیا بامعنی سچ جوان کے آبائی ملک کے بارے میں تھا...... اپنے آبائی لوگ...... اپنا قدرتی ماحول...... اپنی ثقافت اور ثقافتی فرق وغیرہ کو شامل کیا تھا۔ میرے نزدیک وہ امیر خسرو کی پکار تھی جو غریب لوگوں کی حالت زار کے بارے میں تھی جن کی کوئی شنوائی نہ تھی۔ جن کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

تاہم یہاں پر ایک اور اہم چیز کا تذکرہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ 17 ویں صدی کی مغلیہ سلطنت میں شہنشاہ جہانگیر کے دور میں ضیاء الدین خسرو نامی ایک اور شاعر بھی تھا۔ اگر چہ اس کا تعلق بہت بعد کے دور سے تھا، لیکن ہمارے امیر خسرو پر لکھنے والے بہت سے لکھاری ضیاء الدین خسرو اور امیر خسرو کی شاعری کو آپس میں گڈمڈ کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس درست معلومات نہیں ہوتیں یا مغالطہ کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

اس لئے میں نے امیر خسرو کی ہندوی شاعری کی مثالیں انتہائی احتیاط کے ساتھ منتخب کی ہیں اور وہ مثالیں منتخب کی ہیں جس کی تصدیق نامور مفکرین مثلاً ڈاکٹر وحید مرزا...... پروفیسر گیان چند جین اور پروفیسر گوپی چند نارنگ بھی کرتے ہیں۔

جب امیر خسرو کی ہندوی شاعری کا مطالعہ سرانجام دیا جا رہا ہو تب قاری کو اس خدمت کی اہمیت کو مدنظر رکھنا چاہیے جو ہندوستانی ادب کی سرانجام دی گئی جو درج ذیل پنہاں ہے:۔

1۔ زبان...... جس میں خسرو کو مکمل دسترس حاصل تھی اور انہوں نے یہ دسترس ذاتی روابط کی بنا پر حاصل کی تھی اور مزید برآں وہ دیگر زبانوں کے بھی ایک ذہین مفکر تھے...... لہٰذا انہیں شاعری اصطلاحات پر مکمل عبور حاصل تھا۔

2۔ موضوع اور مواد کا انتخاب...... خسرو کے پاس لاتعداد موضوع تھے بچوں سے لے کر نوجوان خوبصورت خواتین تک...... نہر کے کناروں سے لے کر کھیتوں اور

کسانوں تک اور موم بتیوں سے لے کر گھریلو خادماؤں تک اور لیمپوں (دیا) سے لے کر چھتری تک وغیرہ وغیرہ۔

3۔ مصرعوں/ بند کی تشکیل جن میں خسرو نے خوشی اور کبھی کبھار مزاح کا رنگ بھی بھر دیا تھا۔

امیر خسرو کی گفتگو کے متعلق شاعری یا عام لوگوں کے لئے شاعری (میں اسے یہاں ایسا ہی کہوں گا)...... وہ زیادہ تر درج ذیل نوعیت کی حامل ہے"۔

1۔ پہیلیاں (Phheiliyan)
2۔ مکارانی (Mukarani)...... (مصرعے...... بند دوہرے معانی کے حامل)
3۔ دوسکنی (Do-Sukhnae)...... (جوابات دوہرے معانی کے ساتھ
4۔ ڈھکوسلا (Dhakoslae)...... (بے سروپا...... فضول...... طنزیہ مگر لطیف)

وضاحت کے لئے میں مثالوں کے ساتھ مزید تفصیلات پیش کروں گا۔

1۔ پہیلیاں (Paheiliyan)

امیر خسرو کی ہندوی شاعری کئی حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ پہیلیاں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے اور حل بریکٹوں میں دیئے گئے ہیں۔ یہاں پر خسرو کا پسندیدہ موضوع لیمپ (دیا) ہے جس کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں:۔

جب نوخیز (نوعمر) تھا...... سب کی پسند تھا
جب بڑا ہوا...... کسی کے کام کا نہ تھا
خسرو اس کا نام ہلکے پھلکے انداز میں لیتا ہے
اس پہیلی کو بوجھو ورنہ شہر چھوڑ دو (دیا)

2۔ مکارانی (Mukarani)...... (مصرعے/ بند دوہرے معانی کے حامل)

خسرو کی ہندوی شاعری کی دوسری طرز مزاح سے بھرپور ہے۔ خوش کن اور بصیرت افروز...... یہ دو عدد معانی کی حامل ہے۔

تمام رات وہ میرے ہمراہ جاگتا رہا
صبح کے وقت وہ ساتھ چھوڑ گیا
اس کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی دل بھی ٹوٹ گیا
اوہ دوشیزہ! کیا یہ تمہارا محبوب تھا؟ نہیں یہ لیمپ تھا (لیمپ)

3۔ دوسخنی (Do-Sukhnae)...... (جوابات دوہرے معانی کے ساتھ)

یہ مخفی اور پُر اسرار سوال ہیں...... دو سوال اکٹھے منظر عام پر آ رہے ہیں اور ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے...... لیکن ذو معنی الفاظ پر مشتمل ہیں...... ان کی آواز (Sound) ایک ہے لیکن معانی مختلف ہیں۔ تاہم امیر خسرو اپنی مزاحیہ مہارت کے ساتھ ان کا ایک جواب مہیا کرتے ہیں۔

i۔ گوشت کیوں نہ کھایا؟

ڈوم کیوں نہ گایا (گلا نہ تھا!)

ii۔ جوتا کیوں نہ پہنا؟

سموسہ کیوں نہ کھایا؟ (تلا نہ تھا!)

یہ مثالیں امیر خسرو کے زبان پر کنٹرول کی عکاسی کرتی ہیں بالخصوص بولی جانے والی زبانیں اپنی تمام تر اقسام کے تحت۔ وہ بہترین حسِ مزاح کے حامل تھے جو انہوں نے اپنے ڈھکوسلا میں ظاہر کی ہے۔

4۔ ڈھکوسلا (Dhakoslae)...... (یہ امیر خسرو کی شاعری کا مزاحیہ نمونہ ہے)

درج ذیل میں ڈھکوسلا کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے جب امیر خسرو نے ایک خادمہ دیکھی جس کا نام چھیمو تھا جو ایک پارٹی میں خدمات کی سرانجام دہی میں مصروف تھی اور خسرو نے اس کی کارگزاری کا مزاحیہ پہلو دیکھا اور فوراً کہا کہ:۔

اوروں کی چوپہاڑی (Chauphari) باجی
چھیمو کی ادھ پہاڑی (Adhpahari)
باہر کا کوئی آئے نہیں

اے سارے شاہاری (Shahari)
صاف...... صوف کر ایج راکھی (Age Rakhe)
جس میں نہیں طوسل (Toosal)
اوروں کو جہان سنیک (Seenk) سماوے
چھیمو کی تاہان موصل (Tahan Musal)

لہٰذا یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ فارسی شاعری اور ہندی شاعری میں امیر خسرو کا

کوئی ہم رتبہ یا ثانی نہ تھا۔ وہ ایک غیر معمولی شاعر کی حیثیت کے حامل ہیں۔ ہندی شاعری میں خسرو عوامی شاعر ہیں...... لوگوں کے شاعر ہیں۔ وہ براؤننگ کی مانند روحانی پیغام بھی دیتے ہیں...... وہ بائرون کی مانند رومانوی اور حسن کے دلدادہ بھی ہیں۔ وہ ورڈز ورتھ کی مانند فطرت سے بھی محبت کرتے ہیں اور ملٹن کی مانند ایک مفکر شاعر بھی ہیں۔

اور جب ہم فارسی میں ان کی نثر نگاری کا مطالعہ کرتے ہیں تب وہ ہمیں 12 ویں صدی کے ہندوستانی برصغیر کے چارلس ڈکنز اور شیکسپیئر دکھائی دیتے ہیں۔

تیسری دنیا کے شاعر مرحوم فیض احمد فیض...... مقبول ترین اور نامور شاعر جنہوں نے گزشتہ صدی کے دوران اپنی شاعری کی بدولت شہرت کمائی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ:۔

ارتقاء کا وہ عمل جو امیر خسرو نے اپنی زندگی میں شروع کیا تھا اور اپنی شاعری کے ذریعے...... انہوں نے مغلیہ سلطنت کے دوران اپنی پختہ کاری کا مظاہرہ کیا۔ امیر خسرو کے اصولوں نے مسلمانوں کو ایک علیٰحدہ اور نمایاں ہستی سے نوازا اور انہیں آبائی باشندوں کے قریب ترلانے میں کامیاب ہوئے۔ مغربی ایشیائی ممالک کے مسلم مہاجرین نے اس نئی سرزمین کو اپنی سرزمین کے طور پر تسلیم کیا۔ ایک نئی تہذیب نے جنم لیا۔ اخلاقی اور ثقافتی لحاظ سے ایک دوسرے میں مدغم ہونے کے نتیجے میں نیا ادبی اور ثقافتی ماحول منظرِ عام پر آیا”۔

(ایک آرٹیکل جو اکتوبر 1995ء میں سرسید ڈے کانفرنس میں پڑھا گیا)۔

* * *

امیر خسرو کی زندگی کے اہم واقعات

سوانح عمری پر مبنی کیلنڈر

(3 مارچ) 1253ء .... پٹیالہ میں جنم لیا (اس وقت مومن آباد یا مومن پور کہلاتا تھا جو آگرہ ضلع میں واقع تھا...... اتر پردیش...... ہندوستان...... 3 مارچ۔

1260ء .... خسرو اسکول جانے کا آغاز کرتے ہیں...... ان کے والد امیر سیف الدین المحمود کا انتقال۔

1273ء .... نانا اور سرپرست عماد الملک کی وفات...... بلبن کے بھتیجے ملک علاؤالدین کشلی عرف ملک شاجو کے دربار میں شمولیت۔

1276ء .... بلبن کے چھوٹے بیٹے بغرا خان کے دربار میں شمولیت...... وہ ملتان کے نزدیک واقع ساما (Samana) کا گورنر تھا۔

1278ء .... لکھنوتی (اب مرشد آباد) مہم میں بغرا خان کے ساتھ شمولیت۔

1282ء .... بلبن کے بڑے بیٹے محمد کے دربار (ملتان) میں شمولیت۔

1285ء .... راوی دریا کے قریب منگول سپاہی کے ہاتھوں گرفتاری لیکن راہ فرار اختیار کرنے میں کامیابی۔

1286ء .... حاتم خان (امیر علی سرجنڈا) کی خدمات کی سرانجام دہی کا آغاز...... اواڈتھ (Avadth) کا گورنر۔

1288ء .... اواڈتھ سے واپسی اور دربار دہلی میں شمولیت۔

1290ء .... منصب دار کے عہدے پر تعیناتی دربار دہلی میں...... جلال الدین خلجی نے یہ عہدہ عطا کیا تھا۔

1297ء.......... بیٹے عین الدین خضر کی پیدائش۔

1298ء.......... علاؤالدین خلجی کی مخالفت۔

1299ء.......... ماں اور بھائی مبارک قتلش کی وفات۔

1302ء.......... بیٹی عفیفہ کی پیدائش۔

1303ء.......... چترور (CHITROR) کی مہم میں شرکت۔

1310ء.......... حضرت نظام الدین اولیا کی مریدی اختیار کرنا۔

1322ء.......... ڈیوگری (DEOGIRI) مہم میں شرکت۔

1324ء.......... غیاث الدین تغلق کے ہمراہ اس کی لکھنوتی اور اواڈتھ (Avahth) مہمات میں شرکت۔

1325ء.......... امیر خسرو کی وفات...... 27 ستمبر 1325 (18 شوال 725 ہجری)

* * *

باب نمبر ۹

- ☆ امیر خسرو کے آرٹ اور ادب کے کام
- ☆ ان کی کتب...... شاعری...... نثر نگاری...... ڈراموں...... کھیلوں اور ہم عصر ایشیائی ثقافت تخلیق کرنے کی ان کی کوششوں کا ایک جائزہ
- ☆ امیر خسرو کی کتب کی ایک مختصر فہرست

* * *

علامہ سر محمد اقبال جو عام طور پر ''اقبال'' کے نام سے جانے جاتے تھے...... اسد اللہ غالب...... جو عام طور پر غالب کے نام سے جانے جاتے تھے...... جناب انیس...... اور فیض احمد فیض ہندوستانی برصغیر کے گزشتہ صدیوں کے دوران نامور شاعر رہے تھے۔ وہ اب بھی اردو ادب کے میدان میں عام لوگوں کے دلوں میں بستے ہیں۔

لیکن یہ ہمارے امیر خسرو تھے جو اردو زبان کے اولین ترین شاعر تھے۔ وہ ایک ایسے شاعر تھے جو ایک ادبی اسکول کا درجہ رکھتے تھے اور انہوں نے ادبی اسکول تخلیق کیا۔

کوئی بھی دانش ور شخص سیکھنے کی تمنا رکھتا ہے...... وہ دنیا کو محسوس کرنے کے لئے سیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے...... معاشرے اور اپنے آپ کو سمجھنے کے لئے سیکھنے کی تمنا رکھتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے اور اپنے لوگوں اور معاشرے کی خدمت سرانجام دیتا ہے۔ امیر خسرو نے بھی لوگوں سے سیکھا تھا...... اس کے بھیدوں اور اسراروں سے سیکھا تھا...... دانش ورانہ بہترین زبانی اور تحریری ادب۔

خسرو نے اپنے پیش روؤں نظامی...... فردوسی...... خاقانی اور سعدی سے سیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے لوگوں کی مدد کرنا سیکھا تھا اور اپنے لوگوں کی ثقافت سے باخبر ہونے کا سبق سیکھا تھا...... اپنے لوگوں کی تاریخ...... روایات...... اور ان کی تمناؤں اور آرزوؤں سے باخبر

ہونے کا سبق سیکھا تھا۔ انہوں نے ایک آقا بننے کا درس لیا تھا...... ایک استاد بننے کا درس لیا تھا اور اپنی اولاد کو سکھانے کا ہنر سیکھا تھا۔ انہوں نے نظم اور نثر نگاری کے شاہکار پیش کئے تھے جو غیر معمولی نوعیت کے حامل تھے۔ یہ ڈراموں...... تاریخ...... رومانس...... معرکوں...... دیہاتی اور شہری زندگی...... طنز و مزاح اور سنجیدگی سے بھرپور تھے...... اس کے علاوہ روحانیت اور ادبی رنگ کے بھی حامل تھے اور یہی وجہ تھی کہ انہیں ''طوطی ہند'' کا خطاب دیا گیا تھا اور ''سحر ہند'' کا بھی خطاب دیا گیا تھا۔

انہوں نے شاعری اور نثر نگاری کے جو شاہکار تخلیق کئے اگرچہ ان کی درست تعداد میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے لیکن بہت سے سکے بند مفکرین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امیر خسرو نے شاعری اور نثر نگاری کی کل 99 کتب تحریر کی تھیں اور ان میں 12 ویں صدی کی ہندوستانی برصغیر کی زندگی کے تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا تھا۔

ان میں سے کچھ کتب ان کی حیات کے دوران ہی شائع ہوئی تھیں اور کچھ کتب مابعد مغلیہ سلطنت کے دور کے دوران شائع ہوئی تھیں، لیکن ان میں سے بہت سے کتب آج کل ناپید ہیں اور عدم دستیاب ہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہو سکتی ہیں۔ عین ممکن ہے کہ حوادث زمانہ انہیں اپنے ساتھ بہا کر لے گیا ہو یا خسرو کی وفات کے بعد سیاسی نشیب و فراز ان کی عدم دستیابی کا باعث بنے ہوں۔

جو کتب آج کل دستیاب ہیں...... وہ ہندوستان...... پاکستان...... ایران...... اور برطانوی عجائب گھروں میں دستیاب ہیں اور یہ کتب محض یونیورسٹی کی سطح پر استعمال کی جا رہی ہیں اور وہ بھی تحقیق کے مقاصد کے حصول کے لئے لیکن مقامی سطح پر عام لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

اور یہی ایک بڑی وجہ ہے جس کے تحت میں زیر نظر کتاب تحریر کر رہا ہوں تا کہ امیر خسرو کا نام زندہ رکھا جا سکے جنہوں نے ہم عصر ایشیائی ثقافت کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا۔

امیر خسرو کا زیادہ تر کام فارسی زبان میں ہے جو ان دنوں تمام تر دنیا پر ایک پرقوت اثر کا حامل تھا۔ یہاں پر میں ان کی ان تمام تر کتب کا ایک مختصر جائزہ پیش کروں گا جو آج کل دستیاب ہیں۔ امیر خسرو دنیا کے ذہین ترین افراد میں سے ایک تھے۔ یونانی ہومر کی فنکارانہ شان و شوکت پر ناز کر سکتے ہیں۔ ایران سعدی اور حافظ کی ادبی خدمات پر ناز کر سکتے ہیں۔

جرمن گوئٹے کی شاعری پر ناز کر سکتے ہیں اور انگلستان شیکسپیئر کی شاندار کامیابیوں پر ناز کر سکتا ہے۔ ہندوستانی برصغیر بھی امیر خسرو کی شاعری کی شاندار خدمات پر ناز کر سکتا ہے۔

ان کی شاعری میں پُر وقار انداز سے شریفانہ احساسات ...... بصیرتیں ...... جذبات کے علاوہ خدا کے ساتھ محبت ...... پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت ...... روحانی اکابرین کے ساتھ محبت ...... شاہی آقاؤں کے ساتھ محبت اور بہی خواہوں کے ساتھ محبت پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ محبت ...... اپنے وطن کی ہر ایک چیز کے ساتھ محبت ...... اپنے ہم وطنوں کے ساتھ محبت ...... بنی نوع انسانوں کے ساتھ محبت ...... فطرتی حسن کے ساتھ محبت بھی پائی جاتی ہے۔

قصیدے ...... مثنوی (طویل نظمیں) ...... غزلیں (رومانوی شاعری) اور رباعی وغیرہ ...... ان دنوں شاعری کی یہ اقسام مقبول عام تھیں اور اسی دور میں امیر خسرو نے اس قسم کی شاعری تحریر کی تھی اور اس کا 21 ویں صدی کی شاعری سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

درج ذیل میں امیر خسرو کی ان مشہور کتب کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے جو آج کل دستیاب ہیں۔

1۔ تحفۃ السگہار (Tuhfa-us-Sighar)

تقریبا بیس برس کی عمر میں امیر خسرو نے اپنی تمام تر نظمیں اکٹھی کیں اور انہیں تحفۃ السگہار (نوجوانی کا تحفہ) کے عنوان سے شائع کیا اور یہ کتاب ان کی اس شاعری پر مشتمل ہے جو انہوں نے 14 تا 20 برس کی عمر کے درمیان سرانجام دی تھی۔ اس کتاب میں 35 قصیدے ...... پانچ ترکیب بینڈز (Tarkeeb Bands) ...... کچھ ٹکڑے (Fragments) ...... اور ایک مثنوی شامل ہے اور ان کے نانا کی وفات پر ایک نوحہ/مرثیہ/ماتمی نظم بھی شامل ہے۔

اس کتاب میں قصیدے تحریر کرتے ہوئے جو سلطان بلبن ...... اس کے بیٹے محمد اور دربار کے دیگر شرفاء اور امراء کے بارے میں تھے ...... امیر خسرو اپنی ناپختہ کار خوابیدہ قوتوں کا امتحان لے رہے تھے اور وہ دیگر بڑے قصیدہ نگاروں کی نقل کرتے ہوئے یہ امتحان لے رہے تھے۔ ان میں خاقانی اور انواری وغیرہ شامل تھے جو ان سے پہلے ہو گزرے تھے۔

یہ کتاب ہنوز غیر شائع شدہ ہے لیکن اس کی ایک جلد مسلم یونیورسٹی ...... علی گڑھ

......انڈیا میں دستیاب ہے۔

2۔ وسط۔الحیات (Wasat-ul-Hayat)

اس کے معانی ہیں ''زندگی کے وسط میں'' یہ خسرو کا دوسرا دیوان (کتاب) تھا اور جو ان کی اس شاعری پر مشتمل ہے جو انہوں نے 20 تا 30 برس کی عمر میں تحریر کی تھی۔ اس دیوان میں مجموعی طور پر 8,441 مصرعے ہیں۔

اس کتاب میں 58 قصیدے...... Tarjiat 6...... 42 قطعے......دو مثنویاں...... 157 رباعی...... تین صد غزلیں اور شاعری کے کئی ٹکڑے شامل ہیں۔

اس کتاب کا ایک نامکمل ایڈیشن 1924ء میں شائع ہوا تھا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے جاری نہ ہو سکا تھا۔ یہ کتاب شاعری تحریر کرنے کے خسرو کے مثالی انداز کا انکشاف کرتی ہے۔ کیونکہ خسرو نے جس طرز کا اظہار بیان کیا ہے جس کا وہ بکثرت اس کتاب کے اپنے قصیدوں میں سہارا لیتے ہیں۔ ایک ذومعنی (دوہرے معانی کا حامل) ہے۔ دوسرے طریقے کے تحت وہ ایک بند میں اس ہستی کی خصوصیات اور پارسائی بیان کرتے ہیں جس کی وہ تعریف کر رہا ہوتا ہے اور دوسرے میں وہ وضاحت کے ساتھ اس کے نام کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ شاعری کے اس فن کو ''تخلص حاملِ مااقف (Takhallus Hamil-e-Ma Uquf) دیتا ہے۔

اس مجموعے میں......شاعری تحریر کرنے کے فن میں خسرو اپنے عروج پر ہیں۔

3۔ غورت۔الکمال (Ghurrat-ul-Kamal)

اس کا مطلب ہے ''کاملیت کی روشنی''۔ یہ ان کا تیسرا مجموعہ تھا...... اس کی تدوین انہوں نے اس وقت سرانجام دی تھی جب ان کی عمر تقریباً 40 برس تھی۔

اس کتاب میں خسرو نے اپنے کچھ ذاتی مقاصد اور اپنی زندگی کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اس حقیقت پر نازاں نظر آتے تھے کہ ان کا ہم وطن دنیا کی تمام تر زبانیں واضح طور پر اور درستگی کے ساتھ بول سکتا تھا۔ خسرو نے دعویٰ کیا تھا کہ ہندوستان میں عرب...... ایران......اور ترکی سے بڑھ کر عربی...... فارسی......اور ترکی مفکرین موجود تھے۔

اس کتاب میں خسرو نے تین اقسام کے شاعروں کا تذکرہ کیا ہے۔

1۔ ماسٹر شاعر جو وضاحت کا ماخذ ہے اور مخصوص اسٹائل کا ماخذ ہے وہ غلطی کا ارتکاب

نہیں کرتا اور نہ ہی صوفی بنتا ہے اور نہ ہی اخلاق کا علمبردار بنتا ہے بلکہ ایک شاعر ہی رہتا ہے۔

2۔ نیم۔ ماسٹر شاعر جس کی ایجاد اس کے ساتھ منسوب نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی ماسٹر شاعر کے اسٹائل کو نقل کر رہا ہوتا ہے۔

3۔ نقال شاعر...... وہ شاعر جو دوسرے شاعروں کو سوچوں اور بصیرتوں کی نقالی کرتا ہے۔

خسرو کی اس کتاب کے کچھ قصیدے اس قدر مقبول تھے کہ موسیقار انہیں اکثر گاتے تھے۔

یہ مجموعہ خسرو کی اس شاعری کا مجموعہ تھا جو پختہ کاری کی حامل تھی لیکن بدقسمتی سے اس کی تدوین سرانجام نہ دی گئی اور یہی وجہ ہے کہ یہ اب تک شائع نہ ہو سکی۔ اس کی اصلی جلد دہلی یا آگرہ میں دستیاب ہے۔

4۔ بقیہ نقیہ (Baqiya Naqiya)

اس کا مطلب ہے ”خالص بچا کچا/ باقی ماندہ“۔ یہ بھی خسرو کی شاعری کا ایک اور مجموعہ تھا۔ یہ انہوں نے 36 برس کی عمر میں 1316ء میں تحریر کیا تھا۔ حسب معمول اس دیوان میں بھی 63 قصیدے...... 6 Tarjiats...... 200 قطعات...... 360 رباعی اور ایک چھوٹی مثنوی اور کچھ غزلیں شامل ہیں۔ ”عید“ پر بھی ایک قصیدہ شامل تھا اور اس قصیدے نے بہت سے مفکرین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی ان میں ڈاکٹر وحید مرزا بھی شامل تھے۔

”عید“ پر قصیدے کی جانب کشش محسوس کی جانے کی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ خسرو نے مسلمان ہونے کے ناطے کبھی شراب کا ایک گھونٹ بھی نہ چکھا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کی تعریف میں زمین اور آسمان ایک کر دیئے تھے اور اس کی اس قدر تعریف سرانجام دی تھی کہ اسے ”خالص ہیرا“...... ”سیال زندگی“...... ”مائع سورج“...... ”زندگی کا سرچشمہ“...... ”زندگی کے خون کی بہتی ہوئی ندی“...... اور ”پانی کے ساتھ بجھائی جانے والی آگ“ قرار دیا تھا۔ خسرو کی یہ تعریف ان کی شاعری کے ملحدانہ خیالات تھے جو ان کے قارئین کی دلچسپی کے لئے تھے۔

اس کتاب میں امیر خسرو نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس پیرانہ سالی میں وہ فوری

تصورات سے بھی فوری طور پر شاعری تخلیق کر سکتے تھے۔

5۔ نہایت۔ الکمال (Nihayat-ul Kamal)

اس کے معانی ہیں "برتری کا زیر و بم" یہ خسرو کی آخری کتاب ہے۔

ان کے دیوانوں کی سیریز کا مجموعہ...... جس کی انہوں نے اپنی زندگی کے اختتام کے قریب تدوین سرانجام دی۔

1913ء میں اس کتاب کا ایک سستا ایڈیشن دہلی میں شائع ہوا تھا اور حسب معمول یہ قصیدوں...... غزلوں...... قطعات...... رباعی...... اور پہیلیوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔

اس میں انہوں نے خدا کی تعریف رقم کی ہے۔ نعت پیش کی ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کے ساتھیوں کو بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ انہوں نے علم...... محبت...... آزادی اور دانش وری پر وعظ بھی پیش کیا ہے۔ روح کی پاکیزگی کے حصول کا طریقہ بھی بیان کیا ہے اور لالچ اور دولت کے حصول کی حرص کی مذمت بھی کی ہے۔

اس کتاب کے زیادہ تر قصیدے ان کے آقا یعنی سلطان قطب الدین مبارک خلجی کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں...... اس کے علاوہ غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق کی بھی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں...... لیکن انہوں نے ڈیوگری (Deogiri) کی بے حد تعریف کی ہے۔ اس کی آب و ہوا...... اس کے پھلوں بالخصوص آم وغیرہ...... اس کے سبزے اور اس کے کپڑے کی صنعت کی تعریف کی ہے۔ شہر کی موسیقی کی تعریف کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں کہ اس کی موسیقی کے اثر سے مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ ایک اور شہر کی تعریف بھی قلمبند کی گئی ہے اور وہ شہر تغلق آباد ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ مصر اور بغداد کی خوبصورتی ہندوستان کے ان دونوں شہروں کی خوبصورتی کے سامنے ہیچ ہے۔

درج بالا تمام تر کتب درحقیقت تاریخی حقائق تھے اور ان کی بدولت خسرو نے بہت زیادہ مقبولیت کمائی تھی اور اپنی شاعری کا لوہا منوایا تھا۔

لیکن انہوں نے افسانوی کہانی کی صورت (Narrative) میں بھی شاعری سرانجام دی تھی۔ جس کا نام "خمسہ" یا پنج گنج" یا پانچ جلدیں تھا۔ وہ درج ذیل ہیں:۔

i۔ مطلع الانوار (Matla-ul-Anwar)
ii۔ شیرین۔ او۔ خسرو (Shirin-o-Khusro)
iii۔ مجنوں۔ او۔ لیلیٰ (Majnu-o-Laila)
iv۔ آئینۂ سکندری (Aina-e-Sikandri)
v۔ ہشت بہشت (Hasht-b-Hashat)

جس میں انہوں نے دس ہزار مصرے تحریر کئے تھے۔

امیر خسرو سے بہت پہلے ایک اور فارسی کے شاعر جن کا نام نظامی گنجاوی تھا...... انہوں نے بھی خمسہ تحریر کیا تھا جو فارسی شاعری کا شاہکار کہلاتا تھا۔ خسرو کے دور کا کوئی اور شاعر اس معیار کی شاعری تخلیق کرنے کی جرأت نہ کر سکا تھا۔

لیکن امیر خسرو کو مثنوی تحریر کرنے کا پہلے ہی سے خاطر خواہ تجربہ حاصل تھا۔ انہوں نے پہلے ہی خاقانی...... انوری...... فاریابی اور کمال اصفہانی کا مقابلہ کیا تھا اور انہوں نے اپنی استعداد کی بخوبی آزمائش کر رکھی تھی۔ وہ نظامی گنجاوی کا مقابلہ کرنے کی اپنی خواہش کے سامنے بند نہ باندھ سکے تھے اور نظامی گنجاوی نے اپنے خمسہ کی تکمیل میں اپنی تمام تر زندگی صرف کر دی تھی لیکن امیر خسرو نے اس سے مشابہت کا حامل خمسہ محض چار برسوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔

1۔ مطلع۔ الانوار

خسرو کی خمسہ کی پہلی مثنوی مطلع۔ الانوار تھی جو نظامی کی مخزن۔ الاسرار کے نمونے پر تحریر کی گئی تھی۔ اس میں 3310 سطریں شامل تھیں اور اسے پندرہ روز میں مکمل کیا گیا تھا۔ اس مثنوی میں مناجات (خدا کی تعریف) ہیں...... ان کے بہی خواہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی تعریف...... دیگر مخلوقات پر انسان کی برتری کا تذکرہ ہے...... ان کے مشن کا تذکرہ ہے...... نیکی اور پارسائی اور سچائی کا بیان ہے...... خدا کی وحدانیت کا بیان ہے...... اس کے بنیادی اصولوں کا بیان ہے...... صوفی ازم کی پارسائی کا بیان ہے...... دوستی...... رشتے داروں کے حقوق...... انسانیت کے حقوق...... جرأت...... حوصلہ...... صبر...... رحم دلی اور ایمانداری وغیرہ کا بیان ہے۔ اس میں اس کے بادشاہوں کو نصیحت بھی کی گئی ہے اور منافق مفکرین اور بددیانت

اہلکاروں کی مذمت بھی سر انجام دی گئی ہے۔

2۔ شیریں۔ او۔ خسرو

یہ دوسری مثنوی ہے۔ یہ بھی اسی برس مکمل کی گئی تھی...... یہ اس نام کی نظامی کی مثنوی کی نقل ہے۔

یہ مثنوی رومانوی شاعری پر مشتمل ہے اور اس میں موسم بہار...... خزاں...... طلوع فجر اور رات کو بیان کی گیا ہے۔ اس میں اپنے بیٹے کو نصیحت پیش کی گئی ہے جو آج کل کے نوجوانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ خسرو اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے ہیں اور اس کے ذریعے آج کل کے تمام نوجوانوں کو نصیحت کر رہے ہیں کہ انہیں احکامات الٰہی کی تعمیل کرنی چاہیے اور اچھے اور پارسا لوگوں کی صحبت میں زندگی گزارنی چاہیے اور اپنے دلوں کو کنٹرول میں رکھنا چاہیے اور انہیں جانوروں کے طور طریقے نہیں اپنانے چاہئیں۔ انہیں اپنی ذات کے ساتھ مخلص ہونا چاہیے۔ انہیں اپنے والدین اور اپنے بہی خواہوں کا مشکور ہونا چاہیے۔

3۔ مجنوں لیلیٰ

یہ خسرو کے خمسہ کی تیری مثنوی تھی۔ یہ بھی اسی برس تحریر کی گئی تھی اور اس کا بھی وہی عنوان تھا جو عنوان نظامی کی مثنوی کا تھا۔ اس میں بھی مناجات شامل ہیں اور ان کے بہی خواہ سلطان علاؤالدین خلجی کی تعریف شامل ہے، لیکن مختلف سوچ اور افکار کے تحت۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو شاعری تحریر کرنے سے کبھی تھکاوٹ محسوس نہ کرتے تھے۔ مجنوں اور لیلیٰ کے درمیان حیران کن رومانس کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ اگرچہ یہ افسانوی نوعیت کا حامل ہے لیکن خسرو کے الفاظ کے انتخاب نے اسے حقیقت سے قریب تر کر دیا ہے۔

4۔ آئینہ اسکندری

امیر خسرو کی یہ چوتھی رزمیہ نظم نظامی کے اسکندر نامہ کی طرز پر تحریر کی گئی تھی۔ اس میں زیادہ تر اسکندر اعظم کی فوجی کامیابیوں کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے...... اس کی محبت کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے...... اس کی ایجادات اور زندگی کے دیگر پہلوؤں کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

5۔ ہشت بہشت

یہ امیر خسرو کے خمسہ کی پانچویں اور آخری مثنوی ہے اور اسے نظامی کی ہفت

پائیکار“ (Haft-Paikar) کی طرز پر تحریر کیا گیا ہے۔ اسے 1301ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ یہ بھی شاعری کا ایک رومانوی مجموعہ ہے۔ اس میں شہزادہ بہرام گور کی محبت کا تذکرہ ہے جو وہ ایک چینی لڑکی دل آرام کے ساتھ کرتا تھا۔

ایک مفکر شبلی نعمانی کے بقول...... خسرو کی پلاٹ کی تخلیق...... حقائق کی ترجمانی...... کہانیوں کا تسلسل...... یہ سب کچھ اپنے عروج پر تھا۔ یہ اس قدر کاملیت کی حامل شاعری ہے کہ کوئی سابقہ یا مابعد آنے والا شاعر اس سے زیادہ کامل انداز میں شاعری پیش نہیں کرسکتا۔

کچھ ہندوستانی مفکرین نے یہ زحمت گوارا کی کہ خسرو اور نظامی کے خمسوں کا موازانہ سرانجام دیں اور انہوں نے تقابلی مطالعہ کے لئے دونوں کی کسی قدر شاعری کا انتخاب کیا اور نہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ان کا شاعر امیر خسرو نہ صرف نظامی بلکہ کبھی بھی پیش رو شاعر سے اس میدان میں کہیں آگے تھے۔

غالباً امیر خسرو بھی خوشی سے بے قابو ہو رہے تھے کہ انہوں نے خمسہ کی شکل میں ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی اگرچہ وہ نظامی کی تہہ دل سے قدر کرتے تھے۔

یہ کہا جاتا ہے خمسہ کی چاروں جلدوں میں 25,000 سے زائد مصرعے تھے۔ ایک روسی مفکر پروفیسر اے اے سٹاری کوف کہتا ہے کہ امیر خسرو بہبود بشر کا قائل شاعر تھا اور اس کے ”خمسہ“ دنیائے ادب کا ایک چمکتا ہوا موتی ہے۔ ہشت بہشت پہلے پہل 1873ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد 1918ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ ہندوستان میں لکھنؤ اور علی گڑھ میں دستیاب ہے اور اس کے علاوہ دنیا بھر میں کتابوں کی کسی دوکان یا عوامی لائبریری میں دستیاب نہیں ہے۔

امیر خسرو نے شاعری کو جدت پسندی سے مزین کرنے میں بھی غیر معمولی کردار ادا کیا۔ انہوں نے نئے استعارہ/ کنایہ اور مسکراہٹیں تخلیق کیں۔ ان کے درج ذیل ادبی کام یہ ثابت کریں گے کہ خسرو کسی بھی یونانی ڈرامہ نویس سے کسی بھی طور کم نہ تھے اور ان کی تحریریں ٹینی سن سے کسی بھی طور کم اہم نہ تھیں۔

درج ذیل میں ان کی چند مثالی تخلیقات کا ذکر کیا گیا ہے...... ادبی ایجادات اور ثقافتی ناولوں کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے جو کھیل...... ڈرامہ...... یا مکمل لمبائی کی حامل فیچر فلم میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

1۔ قران السعدین (Qiran-us-Sadain)

اسے 1258ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب ''دو خوش قسمت سیاروں کا اجتماع'' اور کچھ کتب میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ یہ دہلی کی تعریف تھی۔ اس مثنوی کا موضوع دو عظیم بادشاہوں کے درمیان انتشار ہے...... ایک بیٹا اور ایک باپ۔ دہلی کا شہنشاہ کیکاباد (Kaiqabad) اپنی فوج کے ہمراہ دریائے گھاگھرا (River Gharhra) کے کناروں کے نزدیک اپنے باپ بغرا خان کی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے روانہ ہوا تھا۔ بغرا خان...... گورنر بنگال...... وہ اپنے بیٹے کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ اور تیار تھا اور وہ دہلی کا کنٹرول حاصل کرنے کے لئے یہ جنگ کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ دونوں امیر خسرو کو عزیز تھے اور خسرو غیر ضروری خون خرابہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا امیر خسرو کی کوششوں کے طفیل...... اس کے علاوہ دونوں پارٹیوں کے کچھ حقیقی بہی خواہ مشیروں کے تعاون کی بدولت...... خونی معرکہ روک دیا گیا تھا۔ بغرا خان بنگال کا خودمختار حکمران بن گیا جبکہ اس کا بیٹا بدستور دہلی کا حکمران رہا اور اس مصالحت کا سہرا امیر خسرو کے سر پر تھا۔

اگرچہ یہ ایک خشک موضوع تھا لیکن خسرو نے اسے چاشنی میں ڈبو دیا تھا۔ اس نے ہر ایک منٹ کی تفصیل پیش کی تھی...... دہلی کی خوبصورت عمارات کا تذکرہ کیا تھا...... شاہی دربار کی شان و شوکت کا تذکرہ پیش کیا تھا...... سونے سے مزین شاہی تاجوں کا تذکرہ پیش کیا تھا...... مے نوشی کی پارٹیوں کا تذکرہ کیا تھا...... ہندوستان کے موسموں کا تذکرہ کیا تھا...... پھولوں اور پھلوں کا تذکرہ کیا تھا...... پکوانوں کا تذکرہ کیا تھا بالخصوص تندوری چکن وغیرہ...... حتیٰ کہ سیاہی کی دواتوں اور موم بتیوں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔

پرندوں کے چہچہانوں کا تذکرہ بھی شامل تھا...... بہتے دریاؤں کا تذکرہ اور آلات موسیقی کا تذکرہ بھی شامل تھا...... یہ سب کچھ ان دنوں کی ثقافت کی عکاسی کرتا تھا۔

یہ مثنوی لکھنؤ (انڈیا) سے شائع کی گئی تھی اور اس کے علاوہ علی گڑھ (انڈیا) سے بھی شائع کی گئی تھی اور یہ 1918ء میں ان دونوں مقامات سے شائع کی گئی تھی اور اس کے تراجم بھی دستیاب ہیں لیکن کتب کی کسی مارکیٹ یا دوکان سے دستیاب نہیں ہیں۔

2۔ مفتاح۔ الفتوح (Miftah-ul-Fatooh)

یہ بہت مختصر سی مثنوی ہے اور کچھ کتب میں اسے مفتاح۔ الفتوح یا فتح نامہ لکھا گیا

ہے...... اس کا مطلب ہے "فتوحات"۔

کچھ محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب خسرو کی ایک اور کتاب کا حصہ تھی...... یعنی غورات۔ الکمال کا حصہ تھی، لیکن اب یہ ایک علیحدہ جلد ہے۔ اس کا موضوع زیادہ تر جلال الدین خلجی کی تعریف وتوصیف پر مشتمل ہے...... اس کے دور حکومت اور اس کی فتوحات کی تعریف وتوصیف پر مشتمل ہے۔ یہ 1954ء میں علی گڑھ سے شائع ہوئی تھی۔

3۔ دیول رانی خصر خان (Dewal Rani Khyser Khan)

یہ مثنوی ایک حقیقی محبت کی داستان ہے...... ایک سنجیدہ رومانس اور تاریخ کی ایک ایسی مثال جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ حقیقی محبت کرنے والے مذہب...... رنگ ونسل وغیرہ کی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ شہزادہ خصر خان شہنشاہ علاؤالدین خلجی کا بیٹا تھا اور ملتان کا گورنر تھا۔ وہ مسلمان پٹھان تھا اور ایک ہندو شہزادی دیول رانی کی محبت میں گرفتار ہوا تھا...... وہ گجرات کے راجہ کی بیٹی تھی اور ایک شکار کے دورے کے دوران دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔

شہزادہ خصر نے امیر خسرو سے بذات خود درخواست کی تھی کہ وہ اس کی محبت کی داستان تحریر کریں تا کہ وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو جائے۔ امیر خسرو نے یہ کام شاندار طریقے سے سرانجام دیا اور اس کے لئے میٹھے اور سریلے الفاظ کا انتخاب کیا۔

خسرو نے یہ کتاب 1315ء میں تحریر کی۔ اس وقت ان کی عمر 64 برس تھی اور اس کی داستان...... پلاٹ...... پلان اور مناظر اس قدر شاندار شاعری میں تخلیق کئے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ رومیو اور جیولٹ سے کم تر ہے۔

خسرو نے شادیوں کی تقریبات کی منظر کشی بھی کی تھی۔ انہوں نے اس تقریب کے موقع پر سجائی جانے والی گلیوں اور بازاروں...... خیموں...... پردوں...... ریشمی قالینوں...... جادوگروں...... موسیقاروں...... مداریوں...... اور رقص کرنے والی لڑکیوں کا تذکرہ بھی پیش کیا تھا۔

اس مثنوی میں خسرو نے ہندوستانیوں کے گندمی اور سانولے رنگ کی تعریف بھی سرانجام دی ہے اور انہیں شامیوں...... مصریوں...... اہل روم...... اور مشرق وسطیٰ کے لوگوں پر ترجیح دی ہے۔

یہ شہنشاہ علاؤالدین کی توجہ مرکوز کروانے کے لئے تحریر کی گئی تھی، لیکن اس نے خسرو

کو کبھی کچھ بھی ادا نہ کیا تھا اور نہ ہی اس نے کتاب دیکھنے کی زحمت گوارا کی تھی۔

اس کو 1916ء میں علی گڑھ سے شائع کیا گیا تھا اور اس میں 4,000 سے زائد مصرعے ہیں۔

4۔ نوع سپہر (Nuh Sipehr)

امیر خسرو نے اس مثنوی کو 68 برس کی عمر میں تحریر کیا تھا اور انہوں نے اسے نئے شہنشاہ قطب الدین مبارک شاہ خلجی کی خصوصی درخواست پر تحریر کیا تھا۔ یہ ان کی تخلیق کاری کی ایک اور مثال ہے۔

خسرو نے اس کتاب کو نو مختلف ابواب میں منقسم کیا ہے۔ ہر ایک باب ایک مختلف اسٹار کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

اس میں بہت سے معلوماتی موضوع شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سلطان مبارک شاہ کی تخت تک رسائی حاصل کرنے کی داستان...... اس کی فوجی قوت...... اس کی فتوحات...... نئے محل...... جامع مسجد...... اور سب سے بڑھ کر خسرو کی معاشرے کی حالت کے بارے میں اپنے نظریات کا تذکرہ موجود ہے۔

خسرو نے ہندوستانی خوبصورتی کی تعریف کی تھی...... اس کے باغات...... پرندوں...... پھولوں...... جانوروں...... آب وہو...... ہندوستانی سائنس...... مذہب...... اعتقادات...... معاشرے...... اس کی زبانوں اور ادب وغیرہ کی تعریف کی گئی تھی۔ خسرو نے یہ بیان کیا تھا کہ ہندوستانی کوے مستقبل کے واقعات کی پیشین گوئی کر سکتے تھے...... طوطے انسانوں کی مانند باتیں کر سکتے تھے...... اور ہندوستانی گھوڑے موسیقی کے ساتھ رقص کر سکتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

خسرو ہندوؤں کی تعریف میں بات کرتا ہے...... وہ ہندومت کی تعریف سرانجام دیتا ہے...... اور خدا پر ان کے اعتقاد کی تعریف سرانجام دیتا ہے۔ خسرو ''ستی'' کی رسم کی مذمت نہیں کرتا جس کے تحت ایک ہندو بیوی اپنی مرضی سے اپنے خاوند کے ساتھ جل کر مر جاتی ہے۔ خسرو کی نظر میں اس کا یہ عمل بے انتہا محبت اور وفا کی عکاسی کرتا ہے۔

اس مثنوی میں خسرو نے منطق...... فلکیات...... فزکس...... ریاضی وغیرہ میں

کامیابیوں کے حصول کی بھی تعریف کی ہے۔

اس مثنوی کی تکمیل پر خسرو کو انعام میں ہاتھی کے وزن کے برابر سونا عطا کیا گیا تھا اور یہ انعام شہنشاہ مبارک شاہ نے دیا تھا۔ تاریخ دان یہ انکشاف کرتے ہیں کہ خسرو نے اس سونے کا معمولی سا ٹکڑا بھی اپنے پاس نہ رکھا تھا بلکہ تمام کا تمام سونا خیرات کر دیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 1948ء میں ڈاکٹر وحید مرزا نے اس کتاب کی تدوین سرانجام دی اور اسے شائع کروایا۔

5۔ تغلق نامہ (Tughlaq Namah)

یہ مثنوی خسرو نے ان دنوں میں تحریر کی جبکہ وہ انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے اور اس مثنوی میں انہوں نے اپنے شاہی آقاؤں کے لئے تہہ دل سے اظہار تشکر کیا تھا بالخصوص شہنشاہ غیاث الدین تغلق کے لئے اظہار تشکر کیا تھا۔

اس کا اصل مسودہ صدیوں کی گرد کی تہہ میں چھپ چکا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح مغل شہنشاہ جہانگیر کی لائبریری میں ایک مختلف نام جہانگیر نامہ کے تحت منظر عام پر آیا۔ لیکن تب مسودے کی ایک اور جلد حبیب گنج علی گڑھ میں منظر عام پر آئی۔

تاہم اسے 1932ء میں شائع کیا گیا اور اسے مولانا رشید احمد نے حیدر آباد دکن (ہندوستان) سے شائع کیا تھا۔

یہ کتاب شاعری کی تمام تر خصوصیات سے مالا مال تھی۔ یہ انہوں نے اپنے سرپرست غیاث الدین تغلق کے بارے میں تحریر کی تھی...... اس کا دور حکومت...... اس کی کامیابیاں...... مبارک شاہ کی ہلاکت جو خسرو خان نے سرانجام دی تھی...... ان سب کا تذکرہ موجود تھا۔

خسرو نے غیاث الدین کے بارے میں بہت سود مند معلومات پیش کی ہیں...... اس کی فوج کے بارے میں...... اس کی فتوحات کے بارے میں...... اس دور کی اس کی جنگی چالوں کے بارے میں...... اس کی رسم تاجپوشی کے بعد اس کی آزادی اور ہم عصر شرفاء کو دعوت دینے کے بارے میں معلومات کا بخوبی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

محمد شاہ تغلق کی تعریف میں بھی ایک قصیدہ پیش کیا گیا ہے اور تغلق آباد شہر کی شان

میں بھی ایک قصیدہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تقریباً 3000 مصرعوں پر مشتمل کتاب ہے۔

6۔ کلیاتِ خسرو (Kulliyat-e-Khusro)

یہ خسرو کی نظموں کا مجموعہ ہے اور بہ آسانی دستیاب ۔ ہے، لیکن یہ خسرو کے تمام تر کام احاطہ نہیں کرتی اور اُس کے علاوہ یہ بھی ایک تصدیق شدہ امر نہیں ہے کہ اس کتاب کی تدوین خسرو نے بذاتِ خود سرانجام دی تھی یا ان کے بعد ان کے کسی بھی خواہ نے اسے ادھر ادھر سے اکٹھا کر کے شائع کروایا تھا۔

تاہم یہ اپنے تعارف کی حامل ہے جو اس کے چار دیوانوں کے تذکرے پر مشتمل ہے۔

i۔ تحفۃ السغار (Tuhfa -us- Sighar)
ii۔ وساط۔ الحیات (Wasat -ul- Hayat)
iii۔ غورت۔ الکمال (Ghurrat -ul- Kamal)
iv۔ بقیہ نقیہ (Baqiya Naqiya)

اس نے ان کے پانچویں اور آخری دیوان کا تذکرہ نہیں کیا جس کا نام نہایت۔ الکمال (Nihayat-ul-Kamal) ہے۔ جو 1906 غزلوں...... 18 قصیدوں...... 3 ترکیبات (Turkibat)...... 20 قطعات......اور 94 رباعیوں پر مشتمل ہے۔

مزید برآں امیر خسرو کی نثر نگاری کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے جو فارسی ادب میں خسرو کا شاہکار کام ہے۔

امیر خسرو کی نثر نگاری بھی بہت بڑی ادبی خدمت ہے اور یہ 13ویں صدی کی ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کرتی ہے۔ اگرچہ وہ اپنی مثنویوں کے ذریعے ایک بڑے تاریخ دان ثابت ہو چکے تھے اور اِن کے ساتھ ساتھ ایک نامور اور ذہین شاعر بھی ثابت ہو چکے تھے، لیکن انہوں نے اپنی نثر نگاری میں بھی اپنے دور کی بے شمار معلومات فراہم کی ہیں۔ اس کی نثر نگاری کی پہلی کتاب ایک معروف کتاب ہے:۔

1۔ اعجازِ خسروی (Ijaz - Khusrawi)

یہ پانچ جلدوں میں ہے۔ کئی جگہوں پر اسے رسائل۔ الاعجاز کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہر ایک جلد کئی ابواب میں منقسم ہے اور اس میں ہم عصر تحریروں کی طرز پر روشنی ڈالی

گئی ہے۔

اس کی جلد اول یا رسالہ اول میں خسرو نو مختلف طرزوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو ان کے پیش رو اپنی تحریروں میں استعمال کرتے تھے۔

1۔ طرز نمبر ایک ماشیخ (Mashaikh) اور صوفی حضرات استعمال کرتے تھے۔
2۔ طرز نمبر دو فاضل ڈاکٹر اور مفکرین استعمال کرتے تھے۔
3۔ طرز نمبر تین مراسلہ نگار استعمال کرتے تھے۔
4۔ طرز نمبر چار مفکرین اور دانش ور استعمال کرتے تھے۔
5۔ طرز نمبر پانچ اعلیٰ پائے کے مقرر اور مشیر استعمال کرتے تھے۔
6۔ بقول خسرو طرز نمبر چھ استاد اور اتالیق استعمال کرتے تھے۔
7۔ طرز نمبر سات عام لوگ استعمال کرتے تھے۔
8۔ طرز نمبر آٹھ مزدور طبقہ استعمال کرتا تھا۔
9۔ طرز نمبر نو کامیڈین (مزاحیہ افراد) استعمال کرتے تھے۔

اگرچہ خسرو نے اپنے دور کی طرز تحریر کی درجہ بندی سرانجام دی تھی۔..... لیکن انہوں نے ان تمام تر طرزوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنا طرز تحریر منتخب کیا تھا جو کہ فلسفیانہ نوعیت کا حامل تھا۔

اگرچہ خسرو نے اپنی تحریروں کے ذریعے اپنے دور کی بہت سی معلومات فراہم کی تھیں۔ ان میں موسیقی...... فلکیات...... طب...... فزکس اور مذہبی میدان کے بارے میں معلومات شامل تھیں لیکن اس طرز نے ان کی کتاب کی مقبولیت پر قدغن لگائی ہے اور اس کی مقبولیت میں کمی کا سبب بنی ہے۔ یہ اس قدر بھاری ہے کہ جدید دماغ پر ایک بوجھ محسوس ہوتی ہے اور اسے سمجھنے کے لئے بہت زیادہ وقت اور ہمت اور جرأت درکار ہوتی ہے۔

یہ 1876ء اور 1887ء میں لکھنؤ (ہندوستان) سے شائع کی گئی تھی۔

2۔ خزائن۔ الفتوح (Khazain -ul- Futuh)

یہ کتاب امیر خسرو کی بہترین نثر نگاری پر مشتمل ہے۔ کچھ تاریخ دانوں نے اس کا حوالہ مختلف ناموں کے تحت پیش کیا ہے۔

i۔ تحریک الٰہی (Tahreehk -e- Allahi)

ii۔ سرور الروح (Suroor -ul- Rooh)

iii۔ فتح نامہ (Fatah - Nama)

اس کتاب میں علاؤالدین خلجی کی فتوحات کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے اور یہ کتاب تاریخی لحاظ سے ایک اعلیٰ کتاب ہے۔ خسرو اپنی کتاب میں علاؤالدین خلجی کی ہلاکت کے بارے میں کوئی تذکرہ پیش نہیں کرتا بلکہ اس کی تخت تک رسائی حاصل کرنے کی داستان کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ یکم اکتوبر 1296ء کو تخت نشین ہوا تھا۔

اس کتاب میں خسرو نے جو دیگر گراں قدر معلومات فراہم کی ہیں ان میں یہ نوید بھی شامل ہے کہ دستکاروں اور مزدوروں کو ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ قیمتوں پر کنٹرول کیا گیا تھا...... اوزان اور پیمائش کے یکساں پیمانے متعارف کروائے گئے تھے۔ بدعنوانی کا خاتمہ کیا گیا تھا اور رشوت کا خاتمہ کیا گیا تھا اور انتظامیہ کو بدعنوانی اور رشوت ستانی سے پاک کیا گیا تھا۔ شراب پر پابندی عائد کی گئی تھی اور جرائم پر قابو پانے کے لئے مؤثر قوانین وضع کئے گئے تھے اور معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے اقدامات سرانجام دیئے گئے تھے۔

اس میں عمارات کا تذکرہ بھی نثر نگاری کے تحت پیش کیا گیا ہے اور نئی تدابیر کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اختیار کی گئی تھیں۔ ان میں دہلی کی قلعہ بندی بھی شامل تھی۔ شہنشاہ کے لئے ایک نیا محل تعمیر کیا گیا تھا۔ ایک نیا مینار بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ شمشی تالاب یا شمشی حوض (ذخیرہ آب) کی مرمت سرانجام دی گئی تھی۔ جامع مسجد اور دیگر تاریخی عمارات کی مرمت بھی سرانجام دی گئی تھی۔

نثر نگاری کے تحت تاریخی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں اور ثقافتی...... انتظامی اور فوجی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں جو امیر خسرو کے دور سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کو 1927ء میں علی گڑھ سے شائع کیا گیا تھا۔

3۔ افضل۔ الفوائد (Afzal -al- Fawaid)

یہ بھی نثر نگاری کی ایک شاہکار ہے۔ اس میں زیادہ تر خسرو کی اپنے بھی خواہ اور

روحانی رہنما حضرت نظام الدین اولیاؒ اور خسرو کے دوست حسن سنجری کے ساتھ خسرو کی ملاقاتوں اور صوفی ازم پر بحث مباحثے کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کی نثر نگاری سادہ تر ہے اور صوفیا کرام کے بارے میں صوفیانہ بصیرت کی عکاسی کرتی ہے۔

یہ کتاب 1913ء میں دہلی سے شائع کی گئی تھی اور اس کے بعد 1960ء میں لاہور سے شائع کی گئی تھی۔

متفرق

جواہر خسروی (Jawaher -e- Khusravi)

یہ امیر خسرو کی مختلف ادبی خدمات کا ایک مختصر اور چھوٹا سا مجموعہ ہے۔ جسے 1918ء میں علی گڑھ (انڈیا) سے شائع کیا گیا تھا۔ اسے ایک اور نام سے بھی جانا جاتا ہے ...... لالی امن (Laali Aman) یا جواہر خسروی جوان کی شاعری کے پانچ چھوٹے پمفلٹوں پر مشتمل ہے۔

i۔ نصابِ بدیع (Nisaab -e- Badeh)

اس میں وزن شعر...... اسٹائل (طرز) اور بند وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور الفاظ کے تحت مثالیں پیش کی گئی ہیں...... مختلف طرزوں میں ان کا استعمال بیان کیا گیا ہے اور قطعات...... رباعی وغیرہ کا بھی تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

ii۔ گھڑیال...... "کلاک" (Ghariyal - Clock)

یہ محض ایک چھوٹی سی نظم ہے جو نو مصرعوں پر مشتمل ہے جس میں خسرو نے وقت دریافت کرنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ اس نظم میں خسرو نے دن اور رات کا وقت 24 گھنٹوں کی بجائے 15 گھنٹے زیر غور رکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ محض اپنی انگلیوں پر گنتے ہوئے کس طرح درست وقت کا اندازہ لگاتا ہے۔

اگرچہ یہ ایک اچھی اور بہتر ترکیب ہو سکتی ہے لیکن آج کل یہ کسی خاطر میں نہیں لائی جاتی کیونکہ ہمارا وقت 24 گھنٹوں کے گرد گھومتا ہے۔

iii۔ سحرِ آشوب (Shehr -e- Ashobe)

کچھ لوگ اسے مثنوی قرار دیتے ہیں لیکن در حقیقت یہ محض 68 رباعیوں پر مشتمل

ہے اور ان کو کسی قدر پنجابی کے الفاظ سے بھی خوبصورتی کے ساتھ مزین کیا گیا ہے۔

iv۔ خلیق باری (Khalique Baari)

یہ محض 280 مصرعوں پر مشتمل ایک جلد ہے اور اسے 63 مختلف حصوں میں لکھا اور منقسم کیا گیا ہے اور کبھی کبھار تمام تر نظم محض دو یا تین مصرعوں پر مشتمل ہے۔ کچھ مفکرین اس کی حقیقی شناخت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں اور اسے ایک اور لکھاری ضیاء الدین خسرو کے ساتھ منسوب کرتے ہیں جو امیر خسرو کے دور کے بہت بعد منظر عام پر آئے تھے۔

v۔ چیستان (Cheestaan)

یہ نئی طرز کی شاعری کا مجموعہ ہے جسے خسرو اپنی مدنی خدمات کی بنیاد کے طور استعمال کرتے تھے۔

یہ ان کا عام لوگوں کے ساتھ ایک حقیقی رابطہ ہے یہ مقامی زبان کو فارسی کے ساتھ پیش کرنے کا ایک تجربہ ہے، لیکن اس کا پھل خسرو کی نئی زبان ”ہندوی“ کے حصے میں آیا...... جو بالآخر جدید اردو کے روپ میں ڈھل گئی۔ لہٰذا امیر خسرو جدید اردو کے بانی کہلائے جاتے ہیں...... بابائے اردو...... جدید اردو کے باپ۔

اس میں پہیلیاں...... ذو معنی الفاظ جو پہیلیوں میں استعمال کئے گئے ہیں وغیرہ ہیں۔

امیر خسرو کی سوانح حیات پڑھنے کے بعد اور ان کے ادب کا مطالعہ سرانجام دینے کے بعد...... یہ یقین کرنا مشکل نہیں ہے کہ وہ نہ صرف ماضی کے دور کے استاد تھے بلکہ ہندوستانی ادب اور ثقافت کے ایک اسکول بھی تھے اور اس کے ساتھ وہ انسانیت...... نسلی اور مذہبی مساوات کا ایک ادارہ بھی تھے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر سطح پر اپنی شاعری اور موسیقی کو استعمال کیا تھا۔

* *

امیر خسرو کی کتب کی ایک مختصر فہرست

1۔	تحفۃ۔ السگبار	(Tuhfat-us-Sighar)
2۔	وساط۔ الحیات	(Wasat-ul-Hayat)
3۔	غرت۔ الکمال	(Ghurrat-ul-Kamal)
4۔	بقیہ نقیہ	(Baqiya - Naqiya)
5۔	نہایت۔ الکمال	(Nihayat -ul- Kamal)
6۔	مطلع۔ الانوار	(Matal-ul-Anwar)
7۔	شیریں۔ او۔ خسرو	(Shirin-o-Khusro)
8۔	مجنوں لیلیٰ	(Majnu Laila)
9۔	آئینۂ اسکندری	(Aina-e-Skiandri)
10۔	ہشت بہشت	(Hasht-b-Hasht)
11۔	قرن السعدین	(Qiran-us-Sadain)
12۔	مفتاح۔ الفتوح	(Miftah-ul-Fatooh)
13۔	دیول رانی۔ خصر خان	(Dewlrani - Khyser Khan)
14۔	نوع سائپہر	(Nuh Sipehr)
15۔	تغلق نامہ	(Tughlaq Namah)
16۔	کلیات خسرو	(Kulliyat-e-Khusro)
17۔	اعجاز۔ او۔ خسروی	(Ijaz-o-Khusravi)
18۔	خزائن۔ الفتوح	(Khazain-ul-Futuh)
19۔	افضل۔ الفوائد	(Afzal Al-Fawaid)

20۔ نصیب بدیع (Nisaab-e-Badeh)

21۔ گھڑیال (کلاک) (Ghariyal (Clock)

22۔ سحرِ آشوب (Shehr-e-Ashobe)

23۔ خلیق باری (Khalique Baari)

24۔ چیستان (Cheestan)

* * *

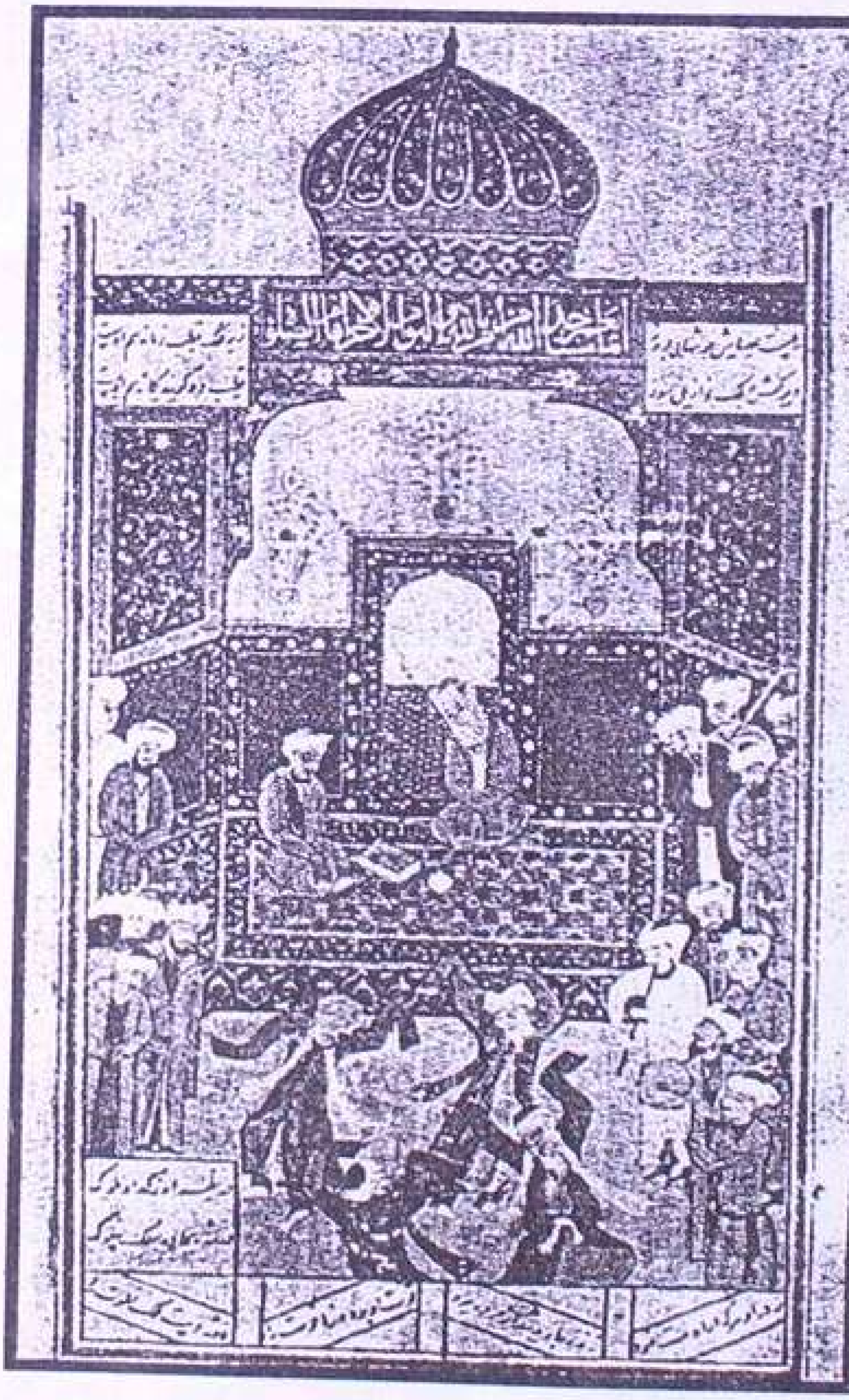

درویش موسیقی کے ساتھ محو رقص (چیسٹر بیٹی لابریری ڈبلن)

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

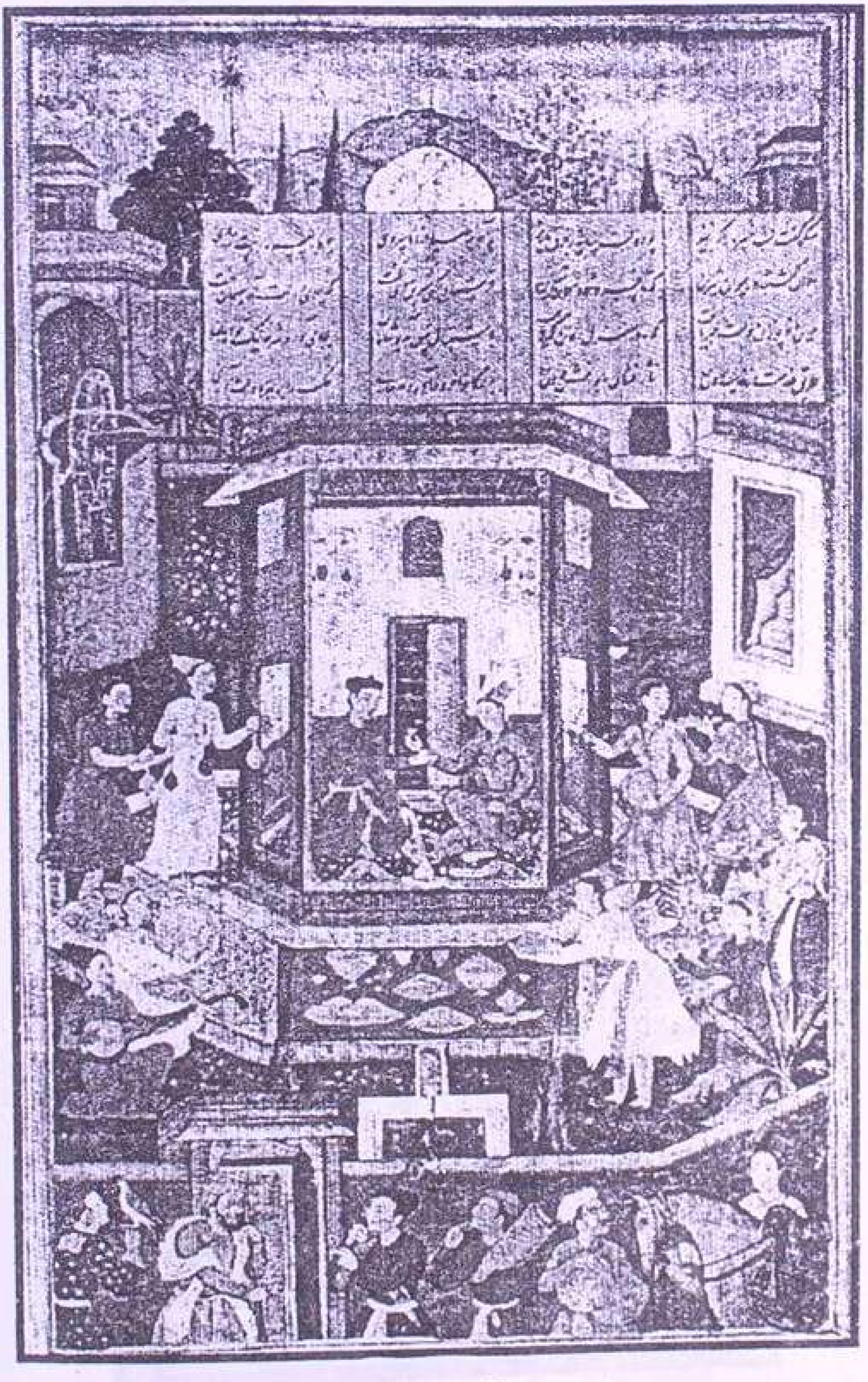

دیول رانی خضر خان رقص سے لطف اندوز ہوتے ہوئے

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

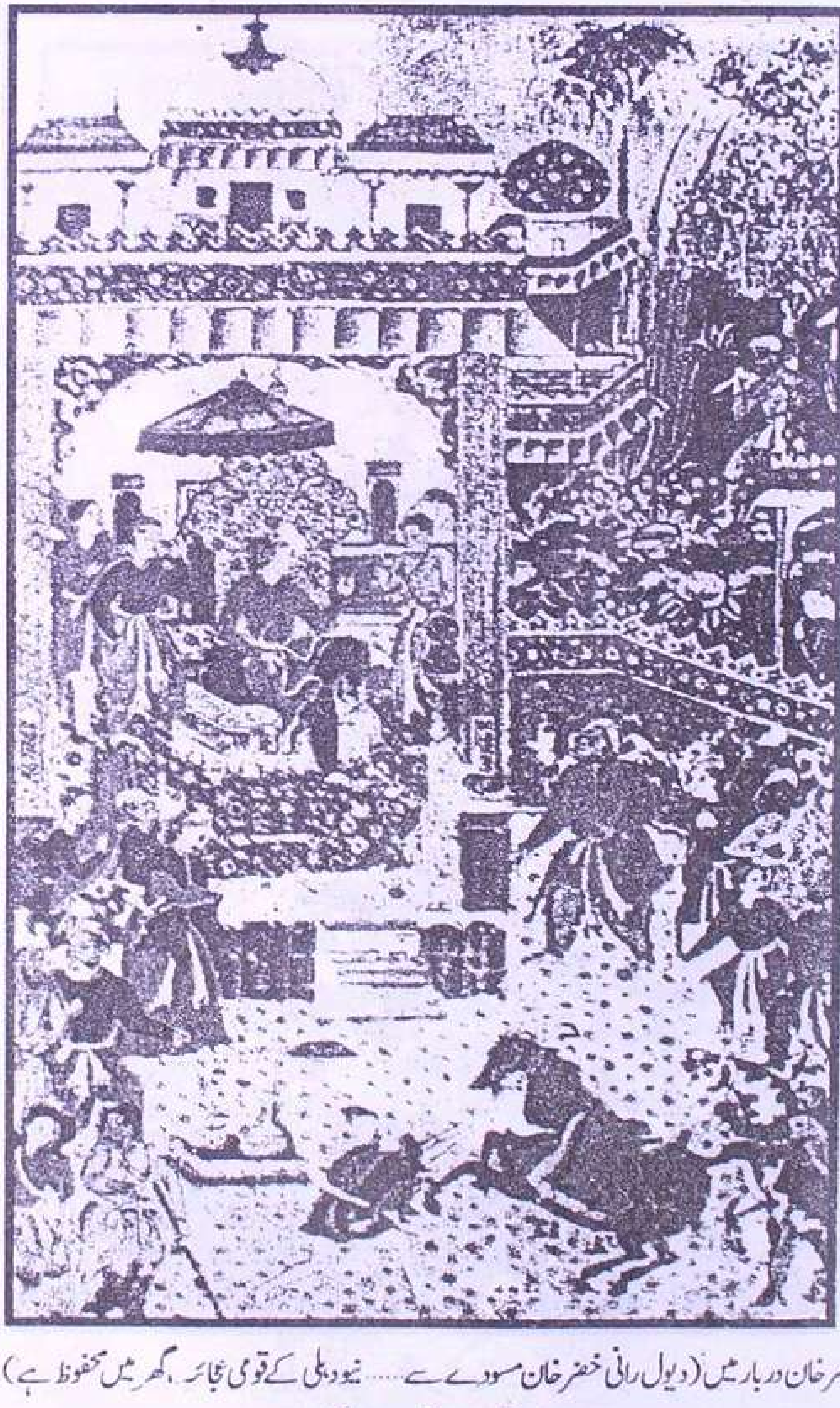

خضر خان دربار میں (دیول رانی خضر خان مسودے سے..... نیو دہلی کے قومی عجائبہ۔ گھر میں محفوظ ہے)

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

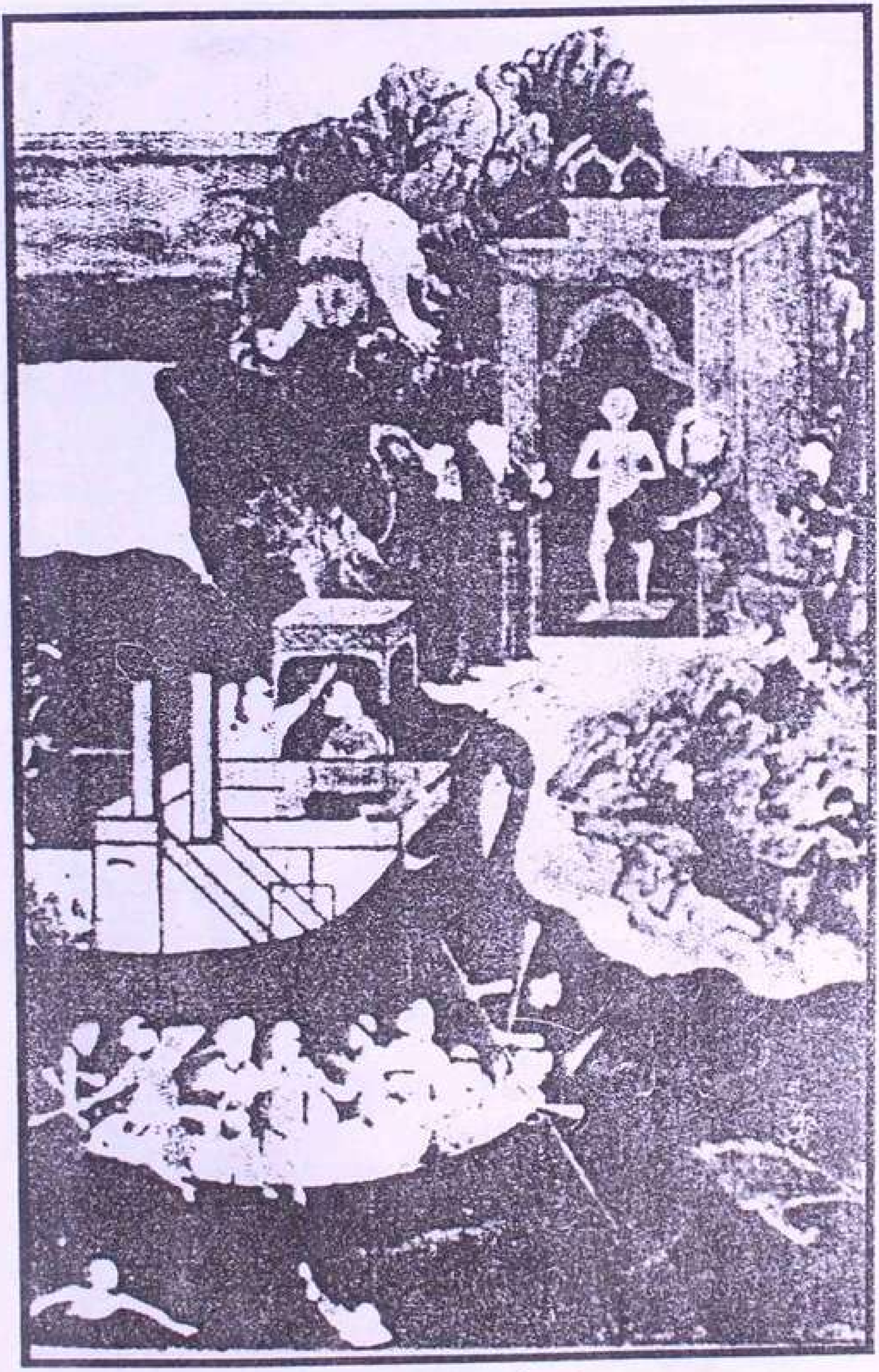

''دیول رانی...... خصر خان'' سے ایک منظر

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

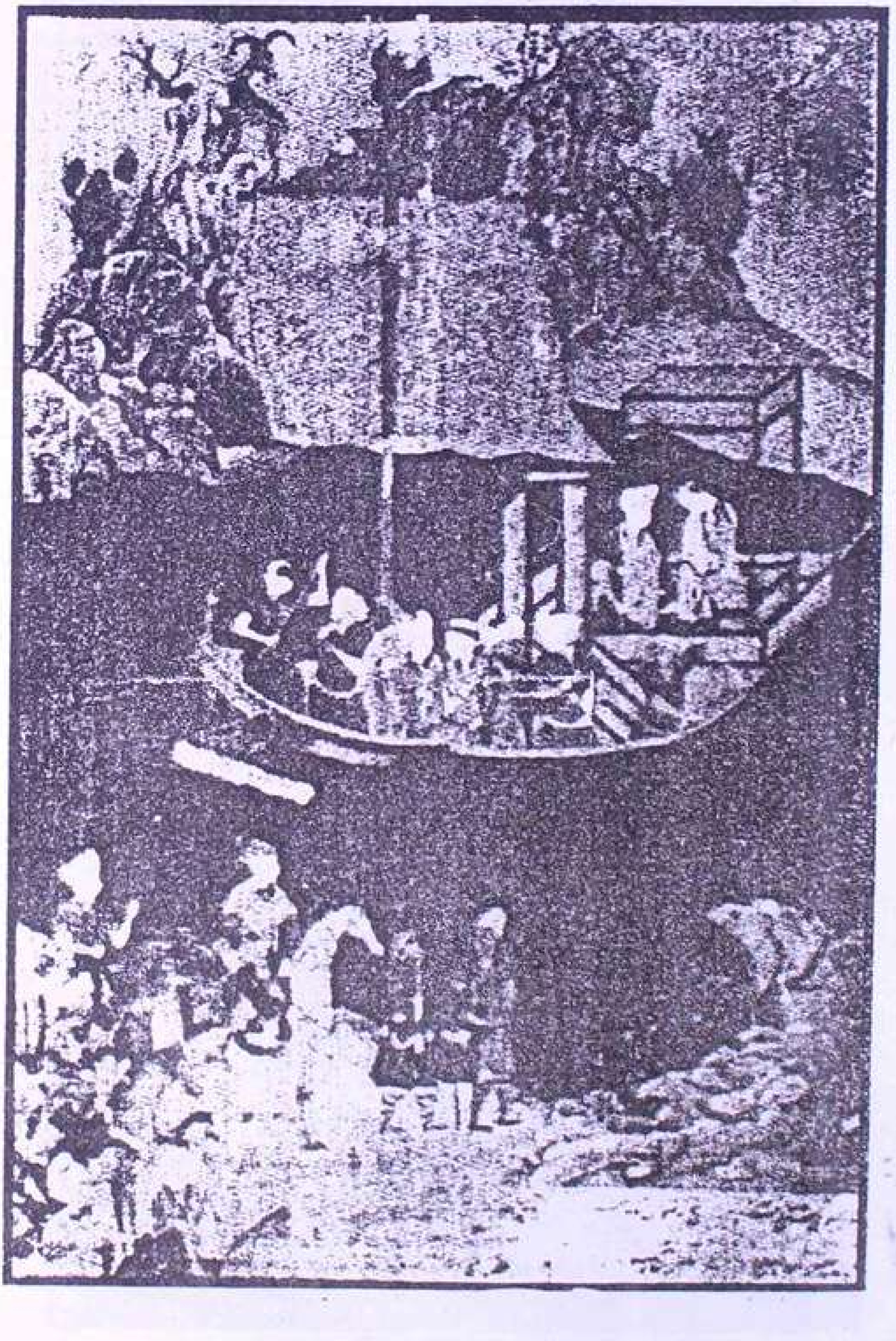

"دیول رانی...... خضر خان" سے ایک منظر

تعاون۔۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

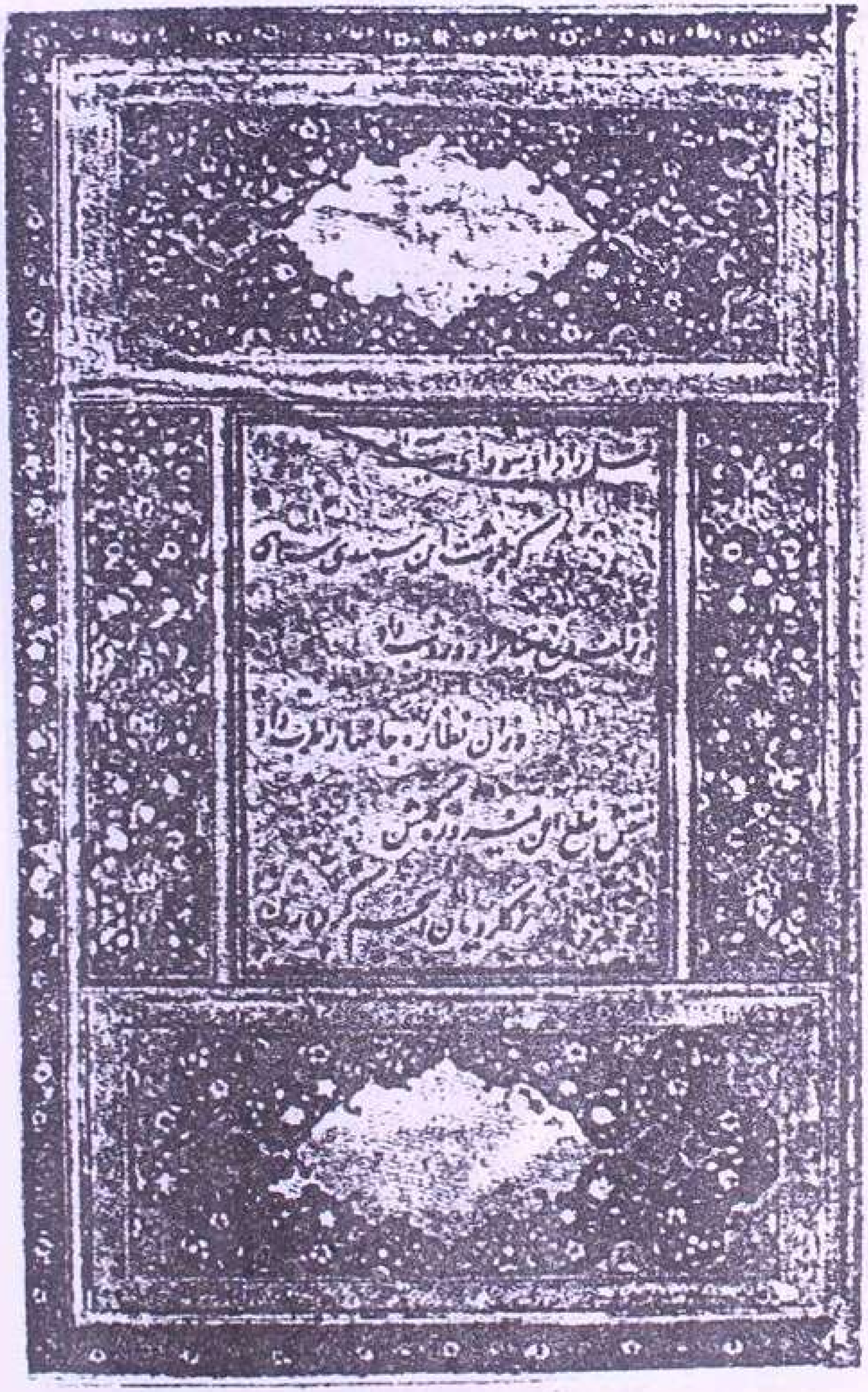

قومی عجائب گھر نیو دہلی میں محفوظ دیول رانی۔ خصر خان کے مسودے کے ایک صفحے کا عکس

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

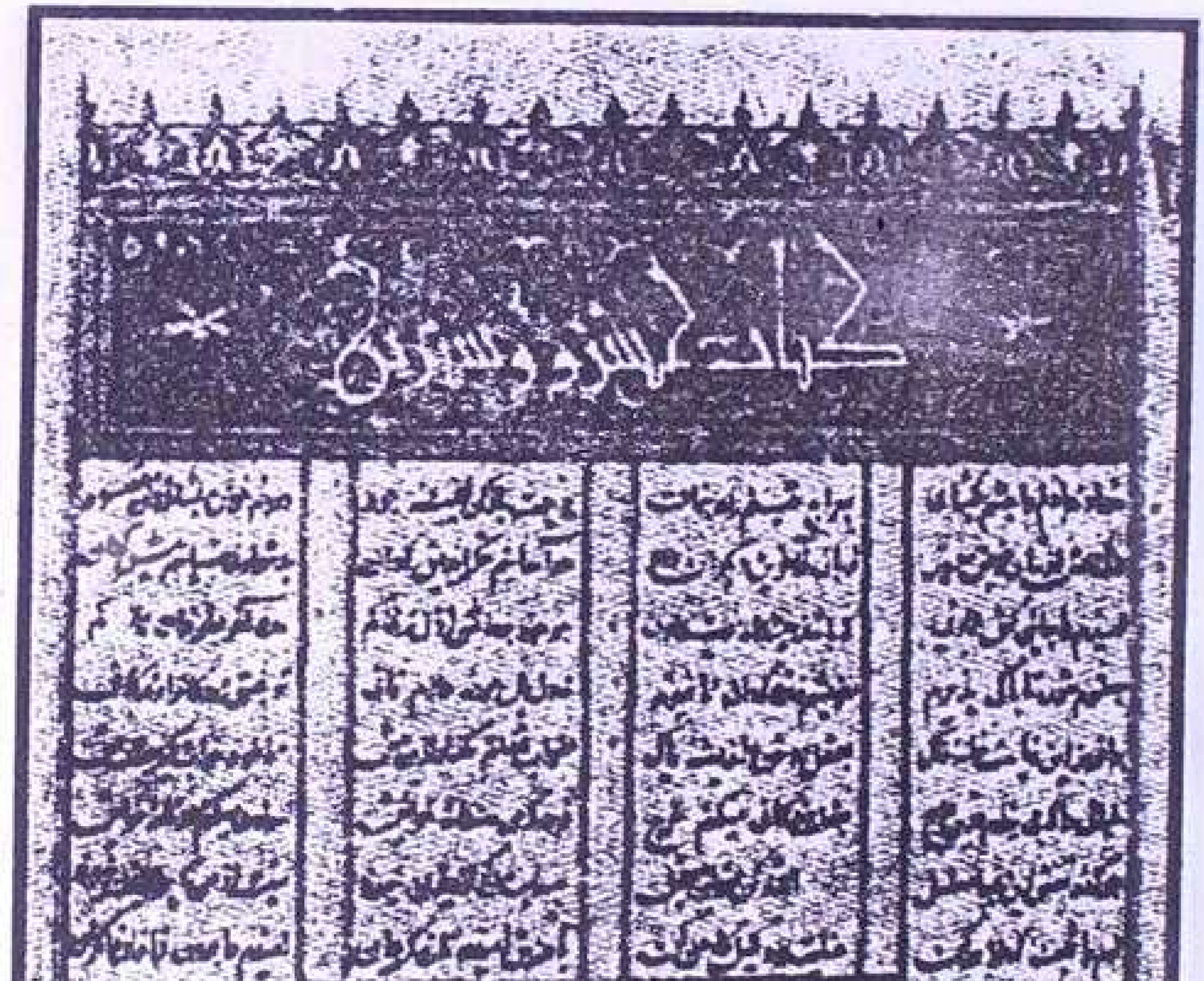

مثنوی خسرو شیریں (Shirin) کا پہلا صفحہ اس مسودے سے جو 756 ہجری میں تحریر کیا گیا تھا۔ محمد شمس الدین حافظ شیرازی نے تحریر کیا تھا۔ (خطاطی سرانجام دی تھی)

تعاون: ۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

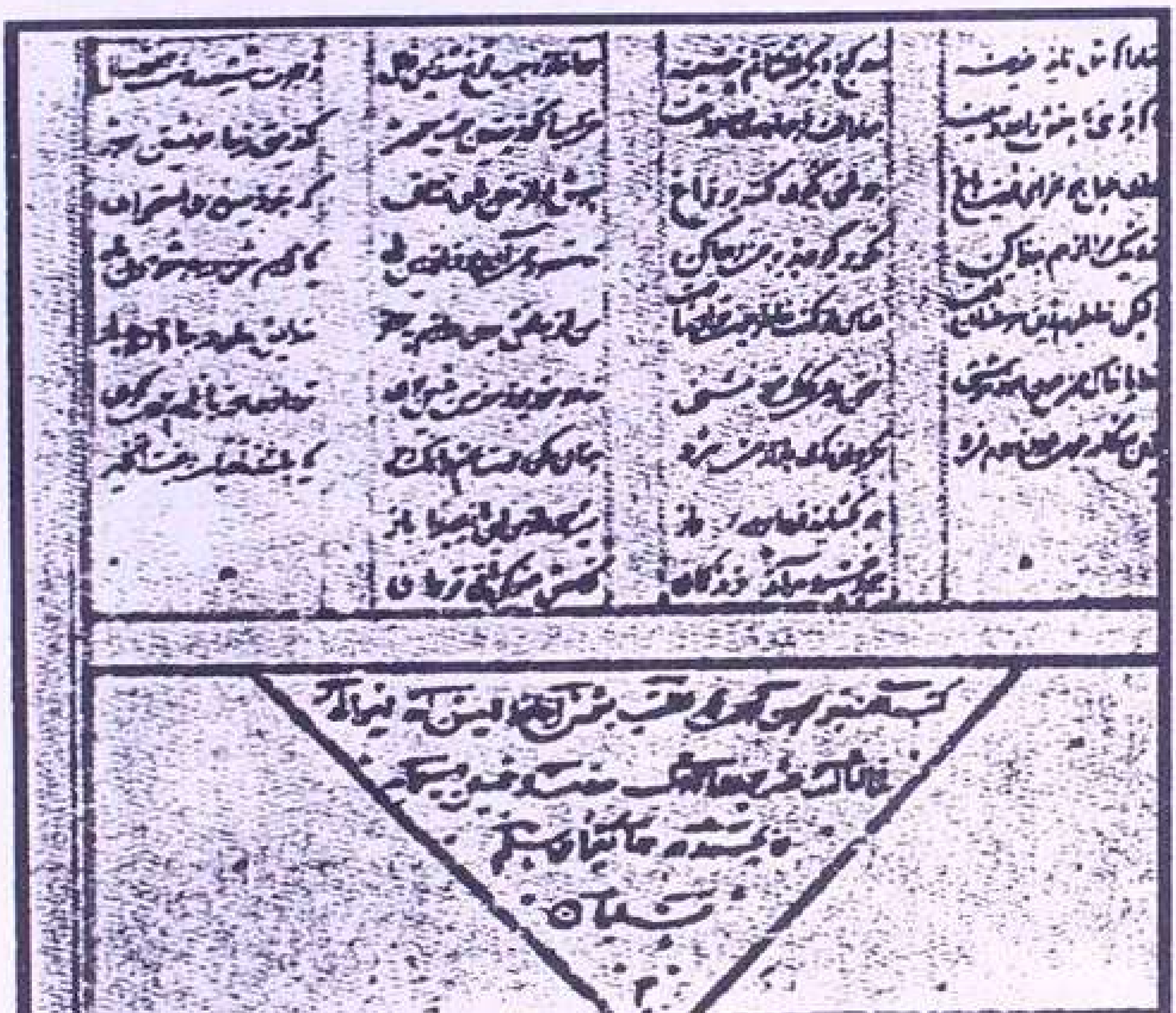

مثنوی خسرو شیریں (Shirin) کا آخری صفحہ جو خطاط محمد شمس الدین حافظ شیرازی کا نام اور خطاطی کی تاریخ بیان کرتا ہے۔

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

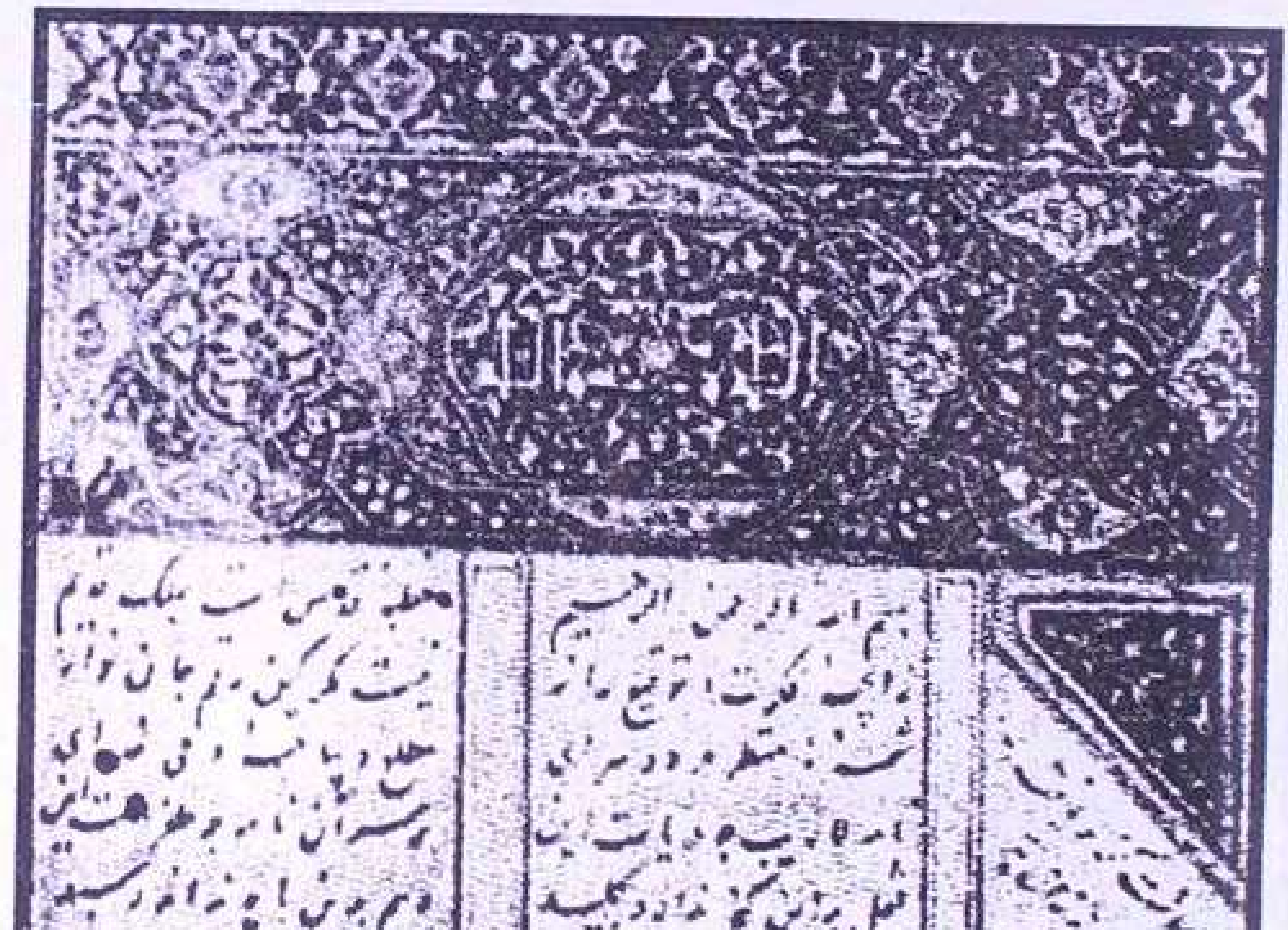

خسرو کی خمسہ کا اولین صفحہ قدیم ترین مسودے سے جو اب تک محض انڈیا میں پایا جاتا ہے۔

830 ہجری میں خطاطی کی گئی تھی۔

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

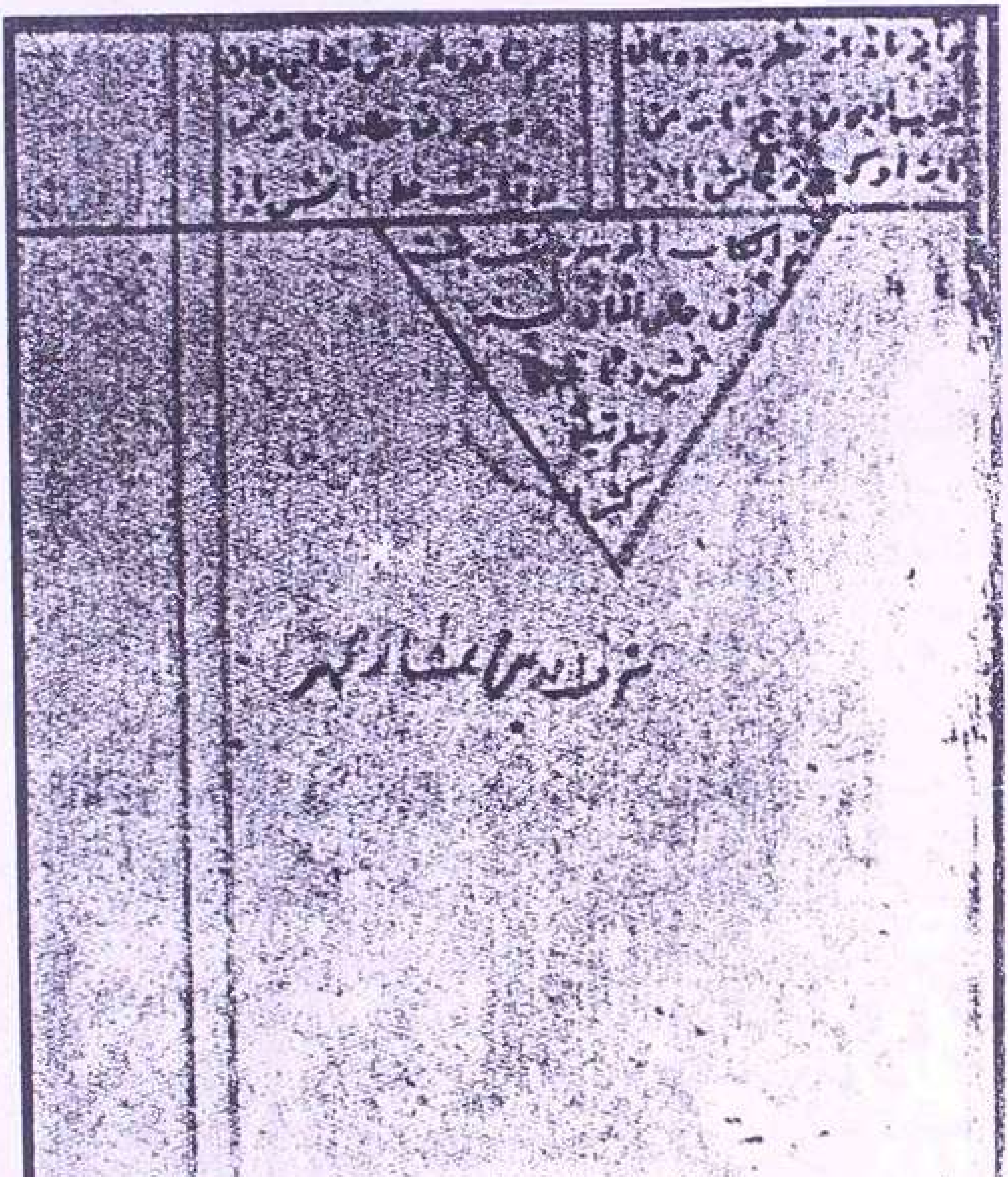

خسرو کی خمسہ کا آخری صفحہ قدیم ترین مسودے سے جواب تک محض انڈیا میں پایا جاتا ہے۔
اس کی خطاطی کی تاریخ بیان کرتا ہوا۔
تعاون: ۔قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

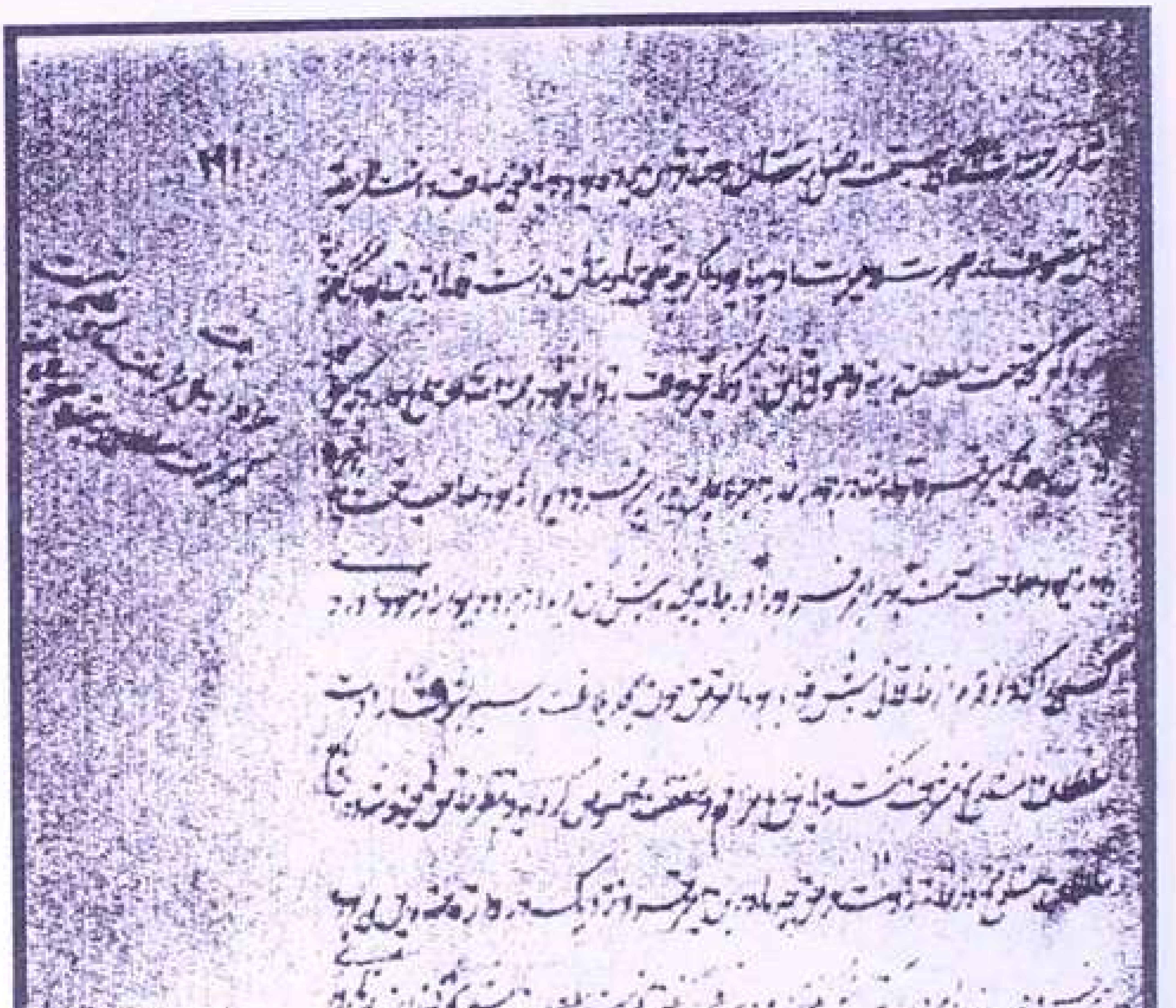

سیار الاولیا کے مسودے سے ایک صفحہ جسے خواجہ امیر خورد کرمانی نے تحریر کیا تھا جو امیر خسرو کا حوالہ پیش کرتا ہے اور حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں پیش کردہ شاعری بیان کرتا ہے۔

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

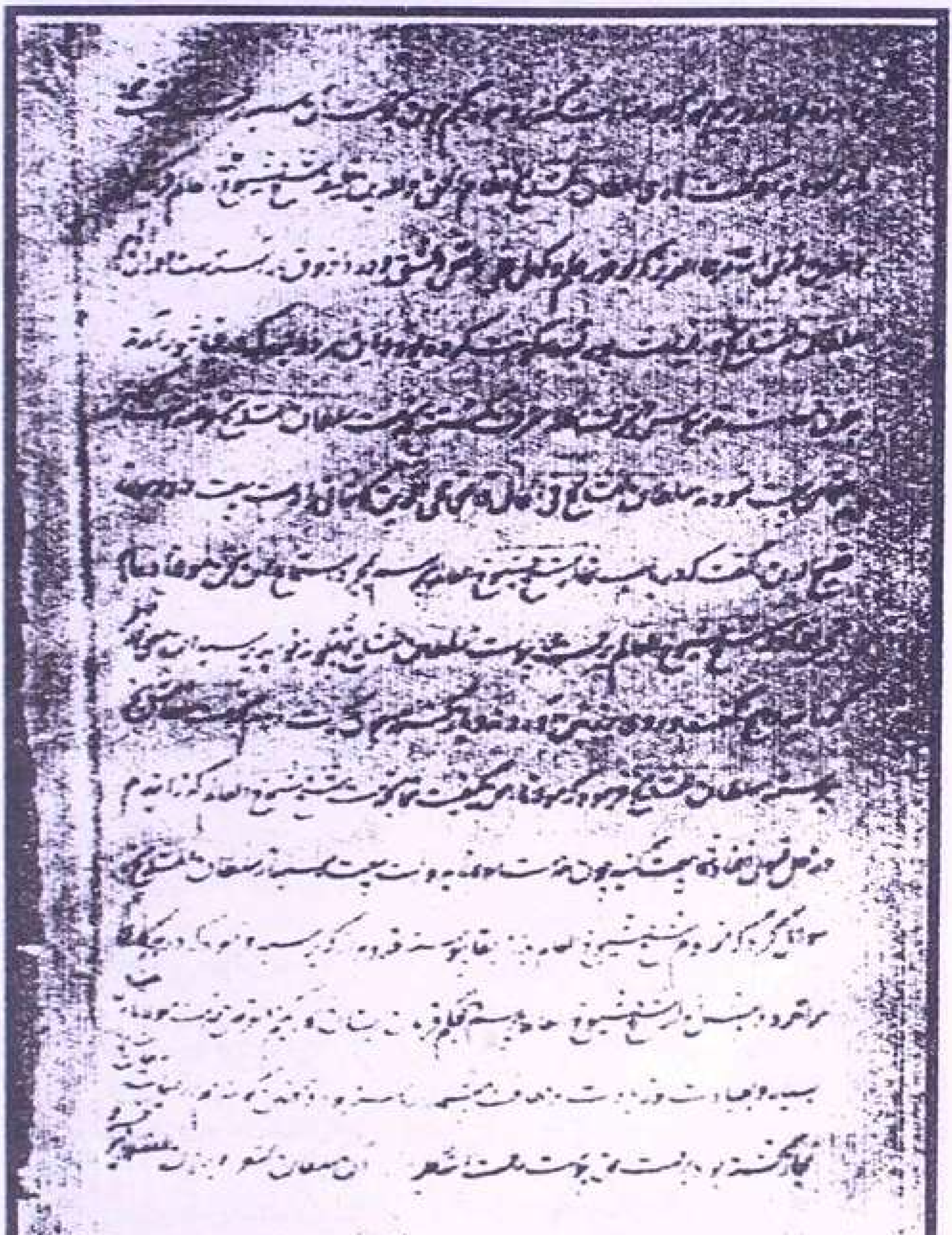

خواجہ امیر خورد کرمانی کی سیار الاولیا کے مسودے کا اگلا صفحہ جو امیر خسرو کا حوالہ پیش کرتا ہے اور حضرت نظام الدین اولیا میں ان کی پیش کردہ شاعری بیان کرتا ہے۔

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

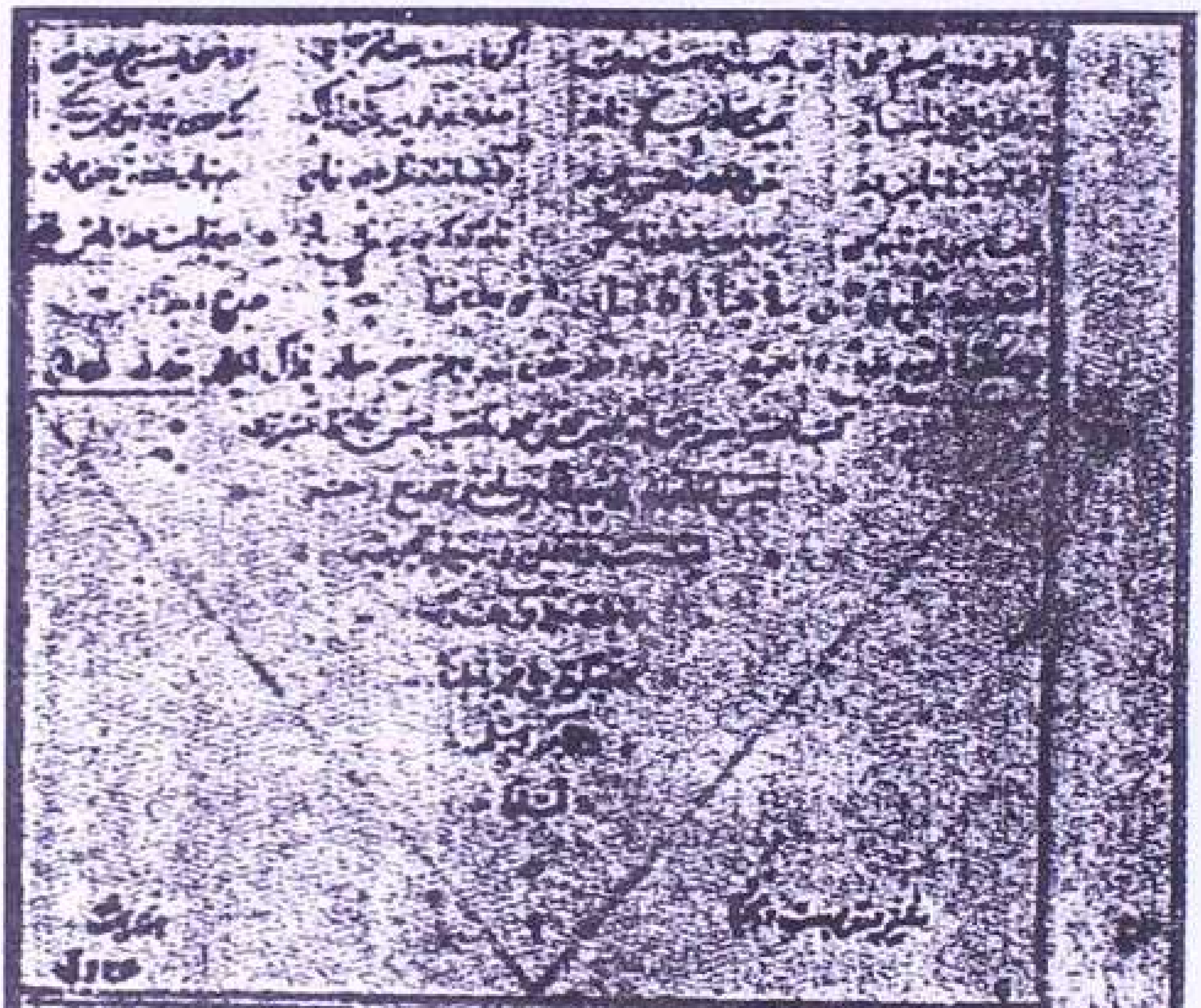

ہشت بہشت کے مسودے کا آخری صفحہ...... اس کی خطاطی محمد شمس الدین حافظ شیرازی نے 756 ہجری میں سرانجام دی۔ اس میں نامعلوم شاعر کی شاعری پیش کی گئی ہے اور اس میں امیر خسرو کی وفات کی تاریخ بیان کی گئی ہے جو کہ 725 ہجری ہے۔

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

باب نمبر 10

امیر خسرو کی فارسی شاعری کی چند مثالیں اور ان کی نئی ایجاد کردہ زبان اردو کی شاعری کی چند مثالیں۔ وہ نظم جو 12ویں صدی کے برصغیر میں انسانی حقوق کی سب سے پہلی آواز بن گئی۔

بچوں کی پہیلیاں

1 نر ناری کھائیں سدا
آدھا بکرا آدھا گدھا
(خربوزہ)

2 دس ناری کا ایک ہی نر
بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
منہ میٹھا تاثیر گرم
(خربوزہ)

3 ایک جانور ایسا جس کی دُم پر پیسا
سر پہ ہے تاج بھی بادشاہ جیسا
(مور)

4 ایک گنی نے یہ گن کینا
ہریل پنجرے میں دے دینا
دیکھو جادوگر کی چال
ڈالے ہرا نکالے لال
(پان)

5 آوے تو اندھیری لاوے
جاوے تو وہ سکھ لے جاوے
(آنکھ)

6 پون چلت وہ دیہہ بڑھاوے
جل پیوت وہ جیو گنواوے
ہے وہ پیاری سندر نار
نار نہیں پر ہے وہ نار
(آگ)

☆☆

مکرنی!

1 ساری رین مورے سنگ جاگا
بھور بھئی تب بچھڑن لاگا
واکے بچھڑت پھاٹے جیا
اے سکھی ساجن! نا سکھی ''دیا''

2 سرب سلونا سب گن نیکا
وا بن سب جگ لاگے پھیکا
واکے سر پر ہووے کون
اے سکھی ساجن ! نا سکھی ''لون''

3 وا آوے تب شادی ہووے
اُس بن دوجا اور نہ کووے
میٹھے لاگے واکے بول
اے سکھی ساجن ! نا سکھے ''ڈھول''

4 موری کھاتر بجار سے آوے
کرے سنگھار تب مایا پاوے
من بگڑے نہ ریکھت مان
اے سکھی ساجن ! نا سکھی ''پان''

5 اونچی اٹاری پلنگ بچھایا
میں سوئی مرے سر پر آیا
کھل گئی انکھیاں بھئی انند
کیوں سکھی ساجن ! نا سکھی ''چند''

مکرنی!

1 سگری رین چھتن پر راکھا
رنگ و رس سب وا کا چاکھا
بھور بھئی تب دیا ڈار
کیوں سکھی ساجن ! نا سکھی ‘‘ہار’’

2 اُس بن مجھ کو چین نہ آوے
وہ میری بتیس پیاس بجھاوے
ہے وہ سب گن بارہ بانی
کیوں سکھی ساجن ! نا سکھی ‘‘پانی’’

3 مکھ مورا چومت دن رات
ہونٹن لاگت کھت نا بات
جاسے میری جگ میں بت
کیوں سکھی ساجن ! نا سکھی ‘‘نت’’

☆☆

دو سخنے! ہندی

ذو معنی الفاظ کی بنیاد پر مبنی امیر خسرو کی خوبصورت شاعری کے نمونے جو اپنی وضاحت خود کر رہے ہیں

1 گوشت کیوں نہ کھایا
ڈوم کیوں نہ گایا
(گلا نہ تھا)

2 جوتا کیوں نہ پہنا
سموسا کیوں نہ کھایا
(تلا نہ تھا)

3 انار کیوں نہ چکھا
وزیر کیوں نہ رکھا
(دانا نہ تھا)

4 پنڈت کیوں پیاسا
گدھا کیوں اداسا
(لوٹا نہ تھا)

5 دیوار کیوں ٹوٹی
راہ کیوں لوٹی
(راج نہ تھا)

* *

دو سخنے ! ھندی اور فارسی

1 تشنہ راچہ می باید
ملاپ کو کیا چاہیئے
(چاہ محبت)

2 سوداگر راچہ می باید
بچے کو کیا چاہیئے
(دوکان)

3 شکاری راچہ می باید
مسافر کو کیا چاہیئے
(دام جال پیسہ)

4 قوتِ روح چیست
پیاری کو کب دیکھئے
(صدا۔ سدا)

☆☆

ڈھکوسلا!

اَوروں کی چوپہری باجے
چھمو کی آٹھ پہری۔
باہر کا کوئی آئے ناہیں
آہیں سارے شہری۔
صاف صاف کر آگے راکھے
جا میں ناہیں توسل۔
اوروں کے جہاں سینگ سمائے
چھمو کے واں موسل۔

☆☆

بچوں کی پہیلیاں

1 ایک کہانی مین کہوں سن لے میری پوت
بنا پروں او اڑ گیا ، باندھ گلے میں سوت
(پتنگ)

2 ہری تھی من بھری تھی
لاکھ موتی جڑی تھی
راجہ جی کے باغ میں
دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی
(بھٹہ)

3 ڈالا تھا سب من بھایا
ٹانگ اٹھا کر کھیل بنایا
کمر پکڑ کے دیا ڈھکیل
جب ہووے وہ پورا کھیل
(جھولا)

☆☆

گیت (ساون کی خوشی میں)

اماں میرے بابا کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بابا تو بڈھا ری کہ ساون آیا

اماں میرے بھائی کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بھائی تو بالا ری کہ ساون آیا

اماں میرے ماموں کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا ماموں تو بانکا ری کہ ساون آیا

☆☆

قوالی

بہت کٹھن ہے ڈگر پن گھٹ کی
کیسے میں بھر لاؤں مدھوا سے مٹکی
مورے اچھے نجام پیا !
کیسے میں بھر لاؤں ، مدھوا سے مٹکی
جرا بولو نجام پیا!
پنیا بھرن کو میں جو گئی تھی
دوڑ جھپٹ موری مٹکی پٹکی
بہت کٹھن ہے ڈگر پن گھٹ کی ۔
خسرو نجام کے بل بل جایئے
لاج راکھے مورے گھونگھٹ پٹ کی
بہت کٹھن ہے ڈگر پن گھٹ کی ۔
کیسے میں بھر لاؤں مدھوا سے مٹکی
بہت کٹھن ہے ڈگر پن گھٹ کی ۔

☆☆

امیر خسرو کی وہ نظم جو بارویں صدی کے برِ صغیر میں انسانی حقوق کی سب سے پہلی آواز بن گئی

1 چوں خدایت سریرِ شاہی داد
ملکت از ماہ تا بماہی داد
2 کوش کا سودہ داری از شاہی
عالمے را زماہ تا ماہی
3 بر ستمکش زعدل کم نہ کنی
بر ستمگار جز ستم نہ کنی
4 خار بُن را برافگنی زگذر
خارکُن راکنی نہال زسر
5 چوں بہ پیلاں علف دہی حالی
از غمِ مور دل مکن خالی
6 عالم آسودہ کن زنعمت و جُود
تا تو خوش باشی و خدا خوشنود
7 چوں بخاصاں دہی نوالہ و جام
کام شاں خوش کنی بنعمت و کام
8 یاد کن زاں گدائے بے توشہ
کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ

☆☆

☆ مثنوی ہشت بہشت، امیر خسرو 1918ء۔ برٹش لائبریری۔ لندن

امیر خسرو کی فارسی اور ہندوی زبان کی مثالیں اور نمونے

فی توحید باری تعالی

1 اے زخیال مابروں در تو خیال کے رسد
با صفت تو عقل را لاف کمال کے رسد
2 گر ہمہ مردم و مَلک خاک شوند بر درت
دامن عزّتِ تُرا گردِ زوال کے رسد
3 کنگرۂ کبریائے تو ہست فراز لامکاں
طائرِ ما دراں ہوا بے پرو بال کے رسد
4 بر درِ بے نیازیت صد چو حسینؑ کربلا
تشنہ بماند برگزر تا بہ زلال کے رسد
5 ہست بہ تختگاہِ دل جلوۂ قرب روز و شب
لیک بجلوۂ چناں چشمِ خیال کے رسد
6 زاں چمنے کہ بلبلش روح قدس نمی سزد
گلخنیانِ خاک رابوئے وصال کے رسد
7 توسنِ چابکاں سبک عرصۂ کوئے پنکواں
آنکہ فتاد مُرکبش برسر حال کے رسد
8 جرعۂ دردُ عاشقاں برسر چوں مئے چکد
راہ روانِ پاک را لوث وبال کے رسد
9 آیتِ رحمت از حرم ہست برائے حاجیاں
خسروِ بت پرست را جز خط و خال کے رسد

☆☆

نعت در شانِ ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ

1 اے رسالت را علم افراختہ
دستِ تو تیغِ شریعت آختہ

2 مرکبت کو بر مکاں بنہاد پائے
قدرِ تو بر لامکانش تاختہ

3 آدم و من دونہٗ تحت اللوا
آمدہ چوں تو لوا افروختہ

4 منۂ قبائے چرخ را خیاط صنع
خاص بہر قامتت پرداختہ

5 میم احمدؐ را گزیدہ بعد ازاں
خاتمِ مُہرِ نبوّت ساختہ

6 ہر کہ اُو از میم احمدؐ طوق یافت
در یکی گوئی رَود چوں فاختہ

7 جز خدا کس قدرِ تو نشاخت زانک
کس خدا را ہمچو تو نشناختہ

8 تاختہ نُور تو از روزِ ازل
پرتوِ خود تا ابد انداختہ

9 دیدۂ کش در نظر ناید بہشت
عشقِ با خاکِ خیانت باختہ

10 عاصیانِ زرد رُو را کردگار
از برائے روئے تُو بنواختہ

11 بندہ خسرو تا نویسد نعتِ تو
زآتشِ دل جانِ خود بگداختہ

☆☆

درمدح سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء

1 اے شربتِ عاشقی بجامت
وز دوست زماں زماں پیامت

2 در سیر وصال ہر دو عالم
داخل بمسافتِ دوگامت

3 شد سلکِ فرید از تو منظوم
زانست کہ شدُ لقب نظامت

4 صد جانِ شریف پاک را چرخ
بگداختہ و نوشتہ نامت

5 درگاہِ تو قبلہ و ملائک
پرآں چو کبوتراں ببامت

6 سودا زدگانِ شوقِ حق را
تسکیں زمفرحِ کلامت

7 جاوید بقاست بندہ خسرو
چوں شد بہزار جاں غلامت

☆☆

غزلیات

غزل (1)

1 ابری بارد و من می شوم از یار جدا
چوں کنم دل بچنیں روز زدلدار جدا

2 ابرو باراں و من و یار ستادہ بوداع
من جداں گریہ کناں ابر جدا یار جدا

3 سبزہ نوخیز و ہوا خرم و بستاں سرسبز
بُلبلِ روئے سیہ ماندہ زگلزار جدا

4 اے مرا در تہہ بر مُوئے ز زُلفت بندی
چہ کنی بند ز بندم ہمہ یک بار جدا

5 دیدہ از بہر تو خونبار شُد اے مردم چشم
مردی کُن مشَو از دیدۂ خونبار جدا

6 بنعمت دیدہ نخواہم کہ بماند پس ازیں
ماندہ چوں دیدہ ازاں نعمتِ دیدار جدا

7 دیدہ صد رخنہ شُد از بہرِ تو خاکے زرہَت
زود برگیر و بکن رخنۂ دیدار جدا

8 می دہم جاں مرو از من دگرت باور نیست
پیش ازاں خواہی و بستان و نگہدار جدا

9 حُسن تو دیر نپاید چو زخسرو رفتی
گل بے دیر نباشد چو شد از خار جدا

☆☆

غزل (2)

1 جانِ من ز آرام ، آرام جانِ من کجا
ہجرم نشان فتنہ شد ، فتنہ نشانِ من کجا

2 آمد بہار مشک دم ، سُنبل دمید و لالہ ہم
سبزہ بصحرا زد قدم ، سرورانِ من کجا

3 از گریہ ماندم پابگل وز دوستاں گشتم خجل
جاں از جہاں بکست دل جان و جہانِ من کجا

4 درکارِ غم شد موریم بے پردہ شد مستوریم
تلخ است عیش از دُوریم شکَر فشانِ من کجا

5 شخصم ضعیف و دیدہ تر زاں ریسماں و زیں گہر
اینکِ مہیا شُد کمر ، لاغر میانِ من کجا

6 ہر دم جگر در سوز و تاب از دیدہ ریزم خونِ ناب
اینک مئے و اینک کباب آں مہمانِ من کجا

7 من جورِ آں نا مہرباں دارم زخاموشی نہاں
اُویم نیایدٔ بر زباں کاں بے زبانِ من کجا

8 جان است آں یارِ نکو رفتہ دِل خسرو در اُو
گر دل نہ رفتہ است ایں بگوایں گو کہ جان من کجا

غزل (3)

1 بشگفت گلہا در چمن اے گلستانِ من بیا
سرو ایستادہ منتظر ، سروِ روانِ من بیا

2 از گریۂ من ہر طرف پر لالہ و گل شد زمیں
وقتے بگلگشت اے صنم در گلستانِ من بیا

3 حیف است دیدن بے رخت در بوستاں آخر گہی
اے گل نہاں از باغباں ، در بوستانِ من بیا

4 ہر طرۂ تو آفتے ہر نرگسِ تو فتنۂ
گرچہ بلائے عالمے از بہرِ جانِ من بیا

5 تلخے کہ گوئی نیست آں از تلخی ہجرت فزوں
با ایں ہمہ تلخی خود شکرؔ فشانِ من بیا

6 دانی کہ ہستم در جہاں من خسروِ شیریں زباں
گرنائی از بہر دلم بہر زبانِ من بیا

☆☆

غزل (4)

1 اے باد برقع برفگن آں روئے آتشناک را
وے دیدہ گر صفرا کنم آبے بزن ایں خاک را

2 اے دیدہ کز تیغ ستم ، ریزی ہمی خوں دمبدم
یا جانِ من بستاں زغم یا جاں دہ ایں غمناک را

3 ریزی تو خوں برآستاں شویم من از اشکِ رواں
کہ آلودہ دیدن چوں تواں آں آستانِ پاک را

4 زاں غمزہ عزم کیں مکن تاراج عقل و دیں مکن
تاراجِ دیں تلقین مکن آں ہندوئے بے باک را

5 آں دم کہ می پوشی قبا ، مخرام از بہر خدا
پوشیدہ دار از چشمِ ما آں قامتِ چالاک را

6 سرہائے سردارانِ دیں بستی چو بر فتراکِ زیں
زینساں میفگن بر زمین دنبالۂ فتراک را

7 تا شمع حسن افروختی پروانہ وارم سوختی
پردہ دری آموختی آں دامنِ صد چاک را

8 ہرگز لبے ندہی بمن در بوسۂ گوئی بزن
آئم چو نزدیک دہن ، رہ گم شود ادراک را

9 جانم چو رفت از تن بروں وصلم چہ کار آئد کنوں
ازیں زہر بگذشت از فسوں ضائع مکن تریاک را

10 گوئی بر آمد گاہ خواب اندر دل شب آفتاب
آندم کز آہِ صبح تاب آتش زنم افلاک را

11 خسؔرو کدامیں خس بود کز سوزِ عشق از بس بود
یک ذرّہ آتش بس بود صد خرمن خاشاک را

☆☆

غزل (5)

1 دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا
تنم از بے دلی بے چارہ شد بے چارہ تر بادا

2 بتاراجِ عزیزاں زلف تو عیارّے دارد
بخونریز غریباں چشم تو عیارہ تر بادا

3 رُخت تازہ است و بہر مردن خود تازہ تر خواہم
دلت خارہ است و بہر کشتن من خارہ تر بادا

4 گر اے زاہد دعائے خیر می گوئی مرا ایں گو
کہ ایں آوارۂ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

5 ہمہ گویند کز خونخواریش خلقے بجاں آمد
من ایں گویم کہ بہر جانِ من خونخوارہ تر بادا

6 دلِ من پارہ گشت از غم نہ زانگونہ کہ بہ گردد
وگر جاناں بدیں شادست یا رب پارہ تر بادا

7 چو با تردامنی خود کرد کہ خسروؔ بادو چشمِ تر
بآبِ چشمِ مژگاں دامنش ہموارہ تر بادا

☆☆

غزل (6)

1 سایہ دارم ہر شب ار سودائے زلفت چوں کنم
چند گردِ خویشتن گہ سحر ، گہ افسوں کنم

2 ازدل بد خوئے خونابہٗ دارم. کہ گر
قطرہٗ از دل بروں ریزم جگرہا خوں کنم

3 توبہ بند کشتن من ، من برآں کز دوستی
عمر خود زا بکسم در عمر تو افزوں کنم

4 گوہرے دارم کہ دروے نیست جز لولوئے خام
چوں نثارِ خاک پایت لولوئے مکنوں کنم

5 چند گوئی عشق را ازدل بران و خوش بزی
گر توانم جان خود از دستِ تو بیروں کنم

6 گفتہ ام دل راچرا از عشق ناری سوئے زہد
وہ کہ شاہد خانہٗ را وقفِ مسجد چوں کنم

7 روح مجنوں آئید و آموزد آ۔تہائے عشق
شعر خسرو گر رقم بر تربتِ مجنوں کنم

☆☆

☆ مجنوں: امیر خسرو کی منظوم کتاب "لیلیٰ مجنوں" میں اصلی ہیرو اور سچا عاشق تھا

غزل - (7)

1 تنگِ نباتِ چوں بود لب بکشا کہ ہم چنیں
آبِ حیات چوں رود خیز و بیا کہ ہم چنیں

2 ہر کہ بگویدت کہ تو دل بچہ شکل می بری
از سر کوئے ناگہاں مست بر آ کہ ہم چنیں

3 ہر کہ بگویدیت کہ جاں چوں بود اندرونِ تن
یک نفسے بیا، نشیں در برِ ما کہ ہم چنیں

4 ہر کہ بگویدیت کہ گل خندہ چگونہ می زند
غنچۂ شکرینِ خود باز کشا کہ ہم چنیں

5 ور تبو گویم اے پسر کت بکنار چوں کشم
تنگ بہ بند برمیاں بند قبا کہ ہم چنیں

6 لافِ وفا زنی ولے نیست برائے نام را
زِ تو نشانی از وفا ہم بوفا کہ ہم چنیں

7 ہر کہ نخواند ہیچ گہ نامۂ عشق چوں بود
قصۂ حالِ خسروش باز نما کہ ہم چنیں

☆☆

غزل (8)

1
اے قامت چوں شاخِ گل از برگ گلِ خنداں تری
چوں لالۂ تر نازکی چوں سرو در بستاں تری

2
گل داشت دفتے بوئے تو آمد بدعوی سوئے تو
از آفتابِ روئے تو شد خشک با چنداں تری

3
یارب چہ اندام ترست آں کت بہ پیراہن درست
آبِ حیات ارچہ ترست اما ندارد آں تری

4
اکنوں کہ برنای شوی آرام دلہا می شوی
ہر چند دانا می شوی از کودکاں ناداں تری

5
با عہدت اے پیاں شکن گفتی نمی آرم سخن
کز عہدِ زلفِ خویشتن بد عہد و بد پیاں تری

6
یوسف بہ ہفدہ قلب اگر ارزاں بود اندر نظر
گر جاں دہم عالم بسر از وے بسے ارزاں تری

7
گفت منت آید گراں وز چوں توئی من برگراں
خوبی و رعنائی از آں ہر روز نافرماں تری

8
گر جاں کند خسرو زیاں با تو چہ در گیرد از آں
ببر جانِ عاشقاں ہر روز نافرماں تری

غزل (9)

1 اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن ازاں زیبا تری

2 ہرگز نیاید در نظر نقشے زرویت خوب تر
حوری ندانم اے پسر فرزند آدم یا پری

3 آفاق را گر دیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اماّ تو چیزے دیگری

4 اے راحت و آرام جاں ، باقد چوں سروِ رواں
زینساں مرو دامن کشاں کا رام جانم می بری

5 عزم تماشا کردہ ای آہنگ صحرا کردہ ای
جان و دل ما بردہ ای این ست رسمِ دلبری

6 عالم ہمہ یغمائے تو خلقے ہمہ شیدائے تو
آں نرگسِ رعنائے تو آوردہ کیش کافری

7 من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوئد بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

8 خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

☆☆

☆ آذر: حضرت ابراہیم کے زمانے میں ایک بت تراش تھا

غزل (10)

1 کج کلہا کماں کشا تنگ قبائے کیستی
لابہ گرا و دلبرا عشوہ نمائے کیستی

2 زیرِ کلاہ جُعد تو بر کمرت کشیدہ سر
بستہ بچابکی کمر ، چست قبائے کیستی

3 مرکب ناز کردہ زیں دادہ بہ تیغ غمزہ کیں
ساختہ آمدہ چنیں باز برائے کیستی

4 سینۂ بندہ جائے تو دیدہ بزیرِ پائے تو
ماہمہ در ہوائے تو ، تو بہوائے کیستی

5 تا رُخ خود نمودہ ای جان و تنم ربودہ ای
آتشِ من فزودہ ای مہر فزائے کیستی

6 خانۂ جاں ہمی بری دانۂ دل ہمی خوری
نیک بلند می پری مُرغِ ہوائے کیستی

7 خسرو خستہ را سخن بستہ شد از تو در دہن
طوطی شکر-سِن من نغمہ سرائے کیستی

☆☆

مثنوی۔ گھڑیال

1 گر کسے پُرسد اے خرد افروز
کہ چہ رفت و چہ ماندہ است از روز
2 تو بگویش بگیر ز انگشتم
آں یکے را کہ خواہی از دستم
3 با تو گویم ہر آنچہ گفت حکیم
از رہ تجربہ و طبع سلیم
4 گر سرِ انگشت گیردت بے شک
دہ[۱۰] بود یا کہ چاردہ[۱۴] یا یک[۱]
5 در بگیرد سرِ شہادت تو
شش[۶] بود یا کہ یازدہ[۱۱] یا دو[۲]
6 در بگیرد میانہ را اے جان
سہ[۳] و ہفت[۷] و دوازدہ[۱۲] می داں
7 بنصرت را چو گیرد او ناچار
ہشت[۸] یا یزدہ[۱۳] بود یا چار[۴]
8 و رسوئے خنصرت نمائید رنج
نہ[۹] بود یا کہ پانزدہ[۱۵] یا پنج[۵]
9 لیک باید ترا تمیز تمام
تا مگر چاشت را نہ گوئی شام

☆☆

فارسی و ہندی ممزوج

غزل

1 زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

2 شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

3 یکا یک ازدل دو چشم جادو بصد خرابیم صبر و تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

4 چو شمع سوزاں ، چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشقِ آں مہ
نہ نیند نیناں ، نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں

5 بحق روزِ وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کی درائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی گھتیاں

دوھه

اُردو زبان کی پیدائش اور ابھرنا

گوری سوئے سیج پہ مکھ پر ڈالے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین ہوئی چو دیس

دوھہ

(فارسی، عربی اور ہندی کا امتزاج)

1 خالق باری سرجن ہار
واحد ایک بدا کرتار
اسم اللہ خدا کا ناؤں
گرما دھوپ سایہ ہے چھاؤں

2 گوجری تو کہ در حسن و لطافت چو مہی
واں دیگرو بہی برسرِ تو چترِ شہی
از ہر دولت قند و شکر می ریزو
ہر گاہ بگوئی کہ ”دہی لیو دہی“

3 رفتم بہ تماشائے کنارِ جوئے
دیدم بہ لب آب زنِ ہندوئے
گفتم صنما بہائے زُلفت چہ بود
فریاد بر آورد کہ ”دُر دُر موئے“

4 ہندو بچہ دیدم چو شکر تا پا
حیراں شدہ گردید نظر سر تا پا
با اُو گفتم کہ ہندوا چیست بگو
بر موئے خطِ تو؟ گفت ”مورے بابا“

☆☆

دوھہ

1 در کند مطرب بے “ہاں ہاں و ہوں ہوں” در سرود
چوں سخن نبود ہمہ بے معنی و ابتر بود

2 تنبولی من دوش عیاری می کرد
یک یک بدکان برگ شماری می کرد
اُو “پان” بخلق می سپرد و ہمہ خلق
در پیشِ دکان “جان سپاری” می کرد

3 اے شیر فروش “بدمزاجی” داری
گرویدہ میانِ کوچہ و “بازاری”
عشقِ تو بھائے ست کہ بہر درے
پر جا کہ روی شیر فرو می آری

4 قاضیان اند اندرین “ایّام”
ہمہ کافر مزاج و “رشوت خوار”
علمِ اینان بہ زینت جُبہ
فضلِ ایشان بہ بندشِ “دستار”

5 دگر بر مار و پری “مارو پر مار”
سخن شان “مار مار و سربسر مار”
چو بگشادند نیز بے خطارا
بزاری گفت “ھے ھے تیر مارا”

فارسی پہیلیاں

1 چیست آں جانور کہ جانش نیست
خندہا می کند دہانش نیست
گریہ ہا می کند نہ دارد چشم
نعرہ ہا می زند زبانش نیست (ابر)

2 پیر مردے لطیف ریش سفید
کردہ دندانِ سرخ چوں گلنار
ہفت کرتہ بدارد اُو برتن
بایکے کرتہ می رود در نار (بھٹا)

3 آں چیست کہ روز می نمائید شبگوں
صد بارہ تنش ولے بیک پائے نگوں
گردست زنی بزور اندازہ بروں
ہمچوں دلِ عاشقاں ہمی ریزد خوں (تربوز)

4 عجب یک جانور دیدم دہاں بالائے سردارد
بپایش کفشِ فولادی بروئے خود سپر دارد (تیر)

5 گلے دیدم کہ اُو بے خار باشد
نہ در صحرا نہ در گلزار باشد
کسے اُو را خرید و نے فروشد
ولے در تختۂ بازار باشد (چراغ)

☆☆

ہندی پہیلیاں

1 اِدھر کو آوے اُدھر کو جاوے
ہر ہر بھرے کات وہ کھاوے
ٹھہر رہتی جس دم وہ ناری
خسرو کہے ورے کو آری (آری)

2 بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑھا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو نے دیا وا کا ناؤں
بوجھو ارتھ نہیں چھوڑو گاؤں (دیا)

3 جب کاٹو تب ہی بڑھے
بن کاٹے کمبلائے
ایسی آدھت نارکا
انت نا پائیو جائیے (دیے کی بتی)

4 اِک راجہ کی انوکی رانی
نیچے سے وہ پیوے پانی (دیے کی باتی)

5 گھوم گھمیلا لہنگا پہنے ایک پاؤں سے رہے کھڑی
آٹھ ہاتھ ہیں اس ناری کے صورت اسکی لگے پری
سب کوئی اس کی چاہ کرے ہیں گھبرو مسلمان ہندو کھتری
خسرو نے یہ کہی پہیلی دل میں اپنے سوچ ذری (چھتری)

* *

ہندی پہیلیاں

امیر خسرو کا ایک اور پسندیدہ عنوان تھا ''آہینہ'' اس سلسلے میں درجِ ذیل ذو معنی پہیلیاں دیکھیے

1 فارسی بولی آئی نا
ترکی ڈھونڈی پائی نا
ہندی بولی آرسی آوے
خسرو کہے کوئی نہ بتاوے
(آہینہ)

2 بیسوں کا سر کاٹ لیا
نہ مارا نہ خون کیا
(ناخن)

3 اک ناری کے سر پہ نار
پی کی لگن میں کھڑی لاچار
سیس دھنے اور چلے نہ زور
رو رو کر وہ کرے ہے بھور
(شمع)

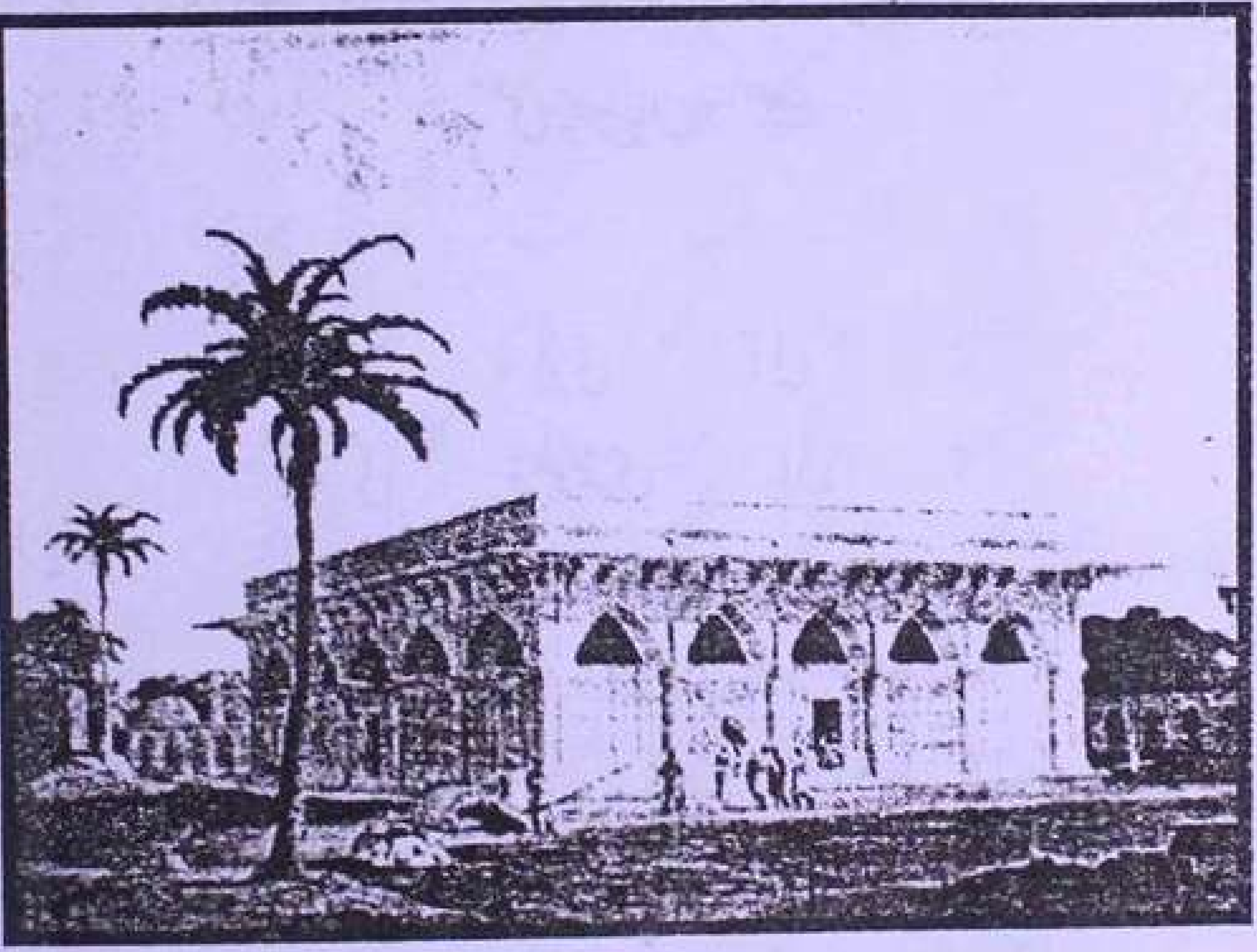

دہلی میں امیر خسرو کا مقبرہ

تعاون :۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

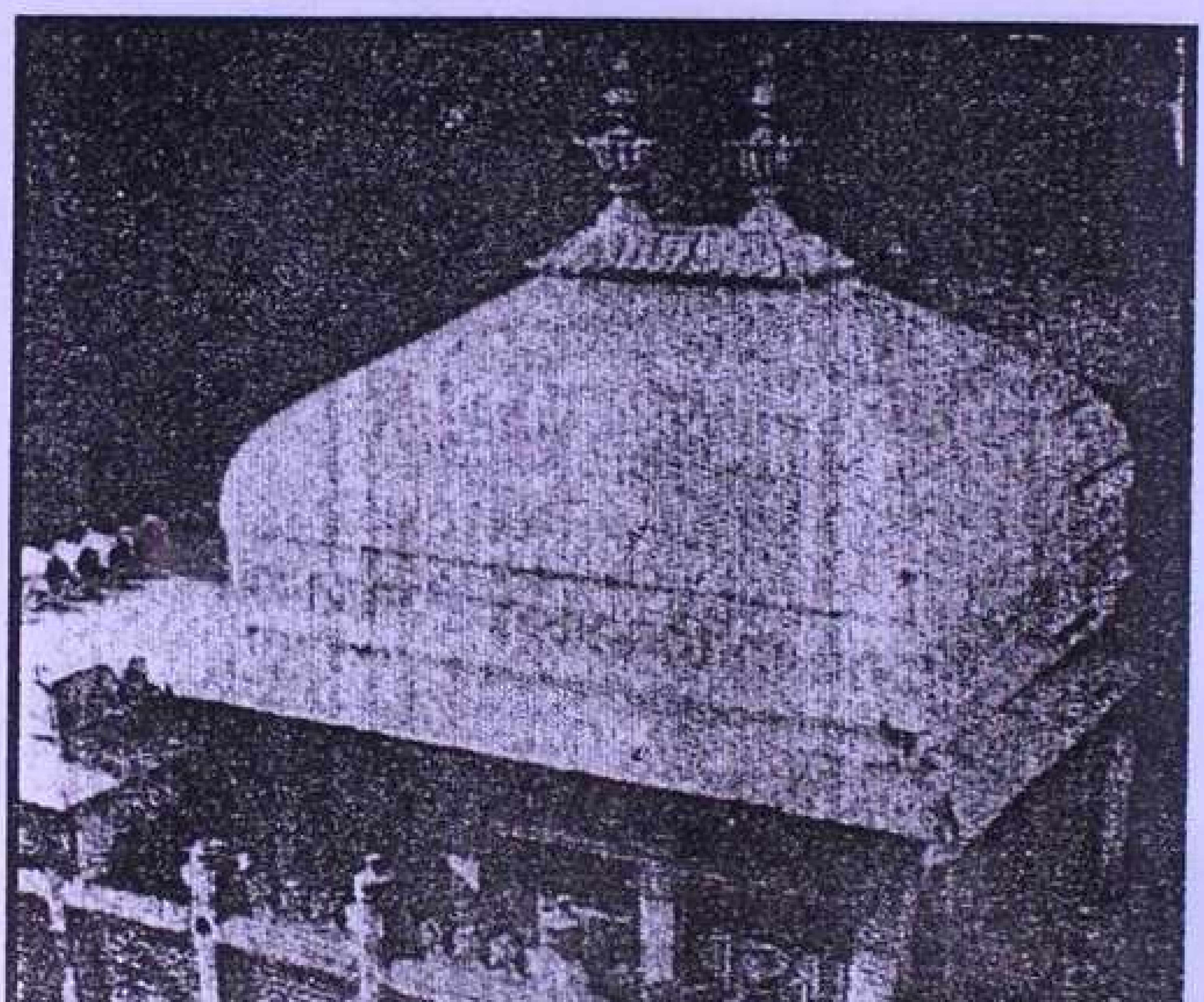

امیر خسرو کا مقبرہ جیسا کہ آج کل ہے

معاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

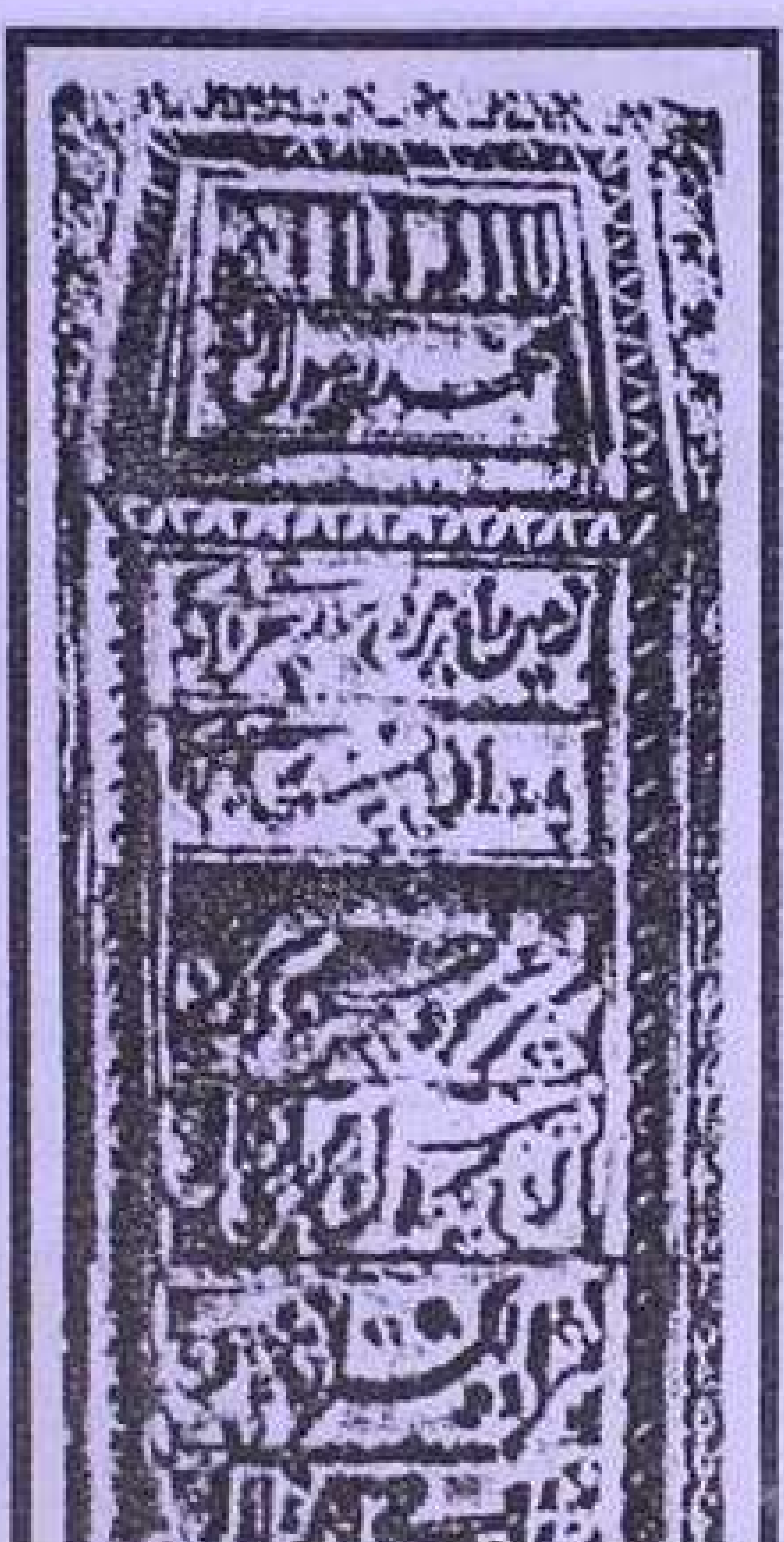

امیر خسرو کی قبر کا کتبہ جیسا کہ یہ آج کل ہے

تعاون:۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا

کتاب کے مصنف جناب آر جعفری لندن بروگ آف والٹ ہام فورسٹ کے میئر سے تعریفی سند وصول کرتے ہوئے جو انہیں امیر خسرو اور اردو ادب کی خدمات سرانجام دینے کے سلسلے میں برطانیہ میں 2001ء میں عطا کی گئی۔

ORARY FREEM

مصنف جناب آر جعفری یورپی اردو رائٹرز سوسائٹی سے انعامی شیلڈ وصول کرتے ہوئے

(برطانیہ 2001ء میں)

ان کے ہمراہ مرحوم اختر ضیائی...... شکیب مرزا...... کریم اور یورپی اردو رائٹرز سوسائٹی کے سیکرٹری ایس آئی عثمانی بھی ہیں۔

A display of modern Sitar and Tabla. Famous london artists Imtiaz Mirza and patry, singing Khusro's qawali and author's poetry.

امیر خسرو سوسائٹی
The Amir Khusro Society (UK)

جدید ستار اور طبلے کا مظاہرہ۔
لندن کے مشہور آرٹسٹ امتیاز مرزا اور ہمنوا خسرو کی قوالی اور
مصنف کا کلام پیش کر رہے ہیں

A display of modern Sitar and Tabla. Famous london artists Imtiaz Mirza and patry, singing Khusro's qawall and author's poetry

جدید ستار اور طبلے کا مظاہرہ۔ لندن کے مشہور آرٹسٹ امتیاز مرزا اور ہمنوا خسرو کی قوالی اور مصنف کا کلام پیش کر رہے ہیں

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر وحید مرزا.......... لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو 1986ء

2۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ.......... خسرو کا ہندوانی کلام 1987ء

3۔ ڈاکٹر مجیب رضوی.......... خسرو نامہ...... 1987ء

4۔ سید غلام سمنانی.......... لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو 1985ء

5۔ پروفیسر وزیر الحسن عابدی.......... احوال و آثار امیر خسرو 1969ء

6۔ ڈاکٹر ممتاز حسین.......... لائف اینڈ ورکس امیر خسرو 1970ء

7۔ پروفیسر شیخ سلیم احمد.......... امیر خسرو 1971ء

8۔ قومی امیر خسرو سوسائٹی انڈیا.......... لائف اینڈ وکس امیر خسرو

9۔ مولانا محمد حسین آزاد.......... آبِ حیات 1957ء

10۔ فیض احمد فیض.......... امیر خسرو پر مقالہ 1995ء میں لندن میں پڑھا گیا

11۔ پنڈت روی شنکر.......... امیر خسرو پر مقالہ 1997ء میں لندن میں پڑھا گیا

12۔ ایس۔ آئی عثمانی.......... امیر خسرو پر آرٹیکل 1997ء کے صدا کے شمارے میں شائع ہوا

13۔ پروفیسر محمد شیرانی.......... پنجاب میں اردو

14۔ مولانا شبلی نعمانی.......... شیر عجم۔ لاہور

15۔ پروفیسر سید وزیر حسین عابدی.......... سعدی اور خسرو۔ لاہور 1970ء

16۔ مولانا محمود شیرانی.......... مقالات جلد 1-1966ء

17۔ پروفیسر سید وزیر حسین عابدی.......... مقالات لاہور 1967ء

18۔ نقی محمد عمر جاوی.......... لائف آف امیر خسرو 1959ء

19۔ مولانا شبلی نعمانی .... حیاتِ خسرو دہلی 1962ء

20۔ پروفیسر اقبال صلاح الدین .... خسرو شیریں زبان۔ لاہور 1970ء

21۔ پروفیسر اقبال صلاح الدین .... خسرو دوسروں کی نظر میں۔ لاہور 1970ء

22۔ سید فیاض محمود .... پاکستان کا علاقائی ادب۔ 1971ء

23۔ پروفیسر اقبال صلاح الدین .... Khusro Ki Phelliuana ur Keh Mukernitan۔ 1971ء

24۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد .... پاکستان۔ لاہور میں فارسی ادب 1964ء

25۔ کے۔ کے خلار .... خسرو اور ہماری مشترکہ ثقافت۔ دہلی 1983ء

26۔ مس امینہ شاہ .... باغ و بہار۔ دہلی۔ 1982ء

27۔ امیر خسرو .... ہشت بہشت۔ انڈیا ہاؤس لندن

* *

گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ

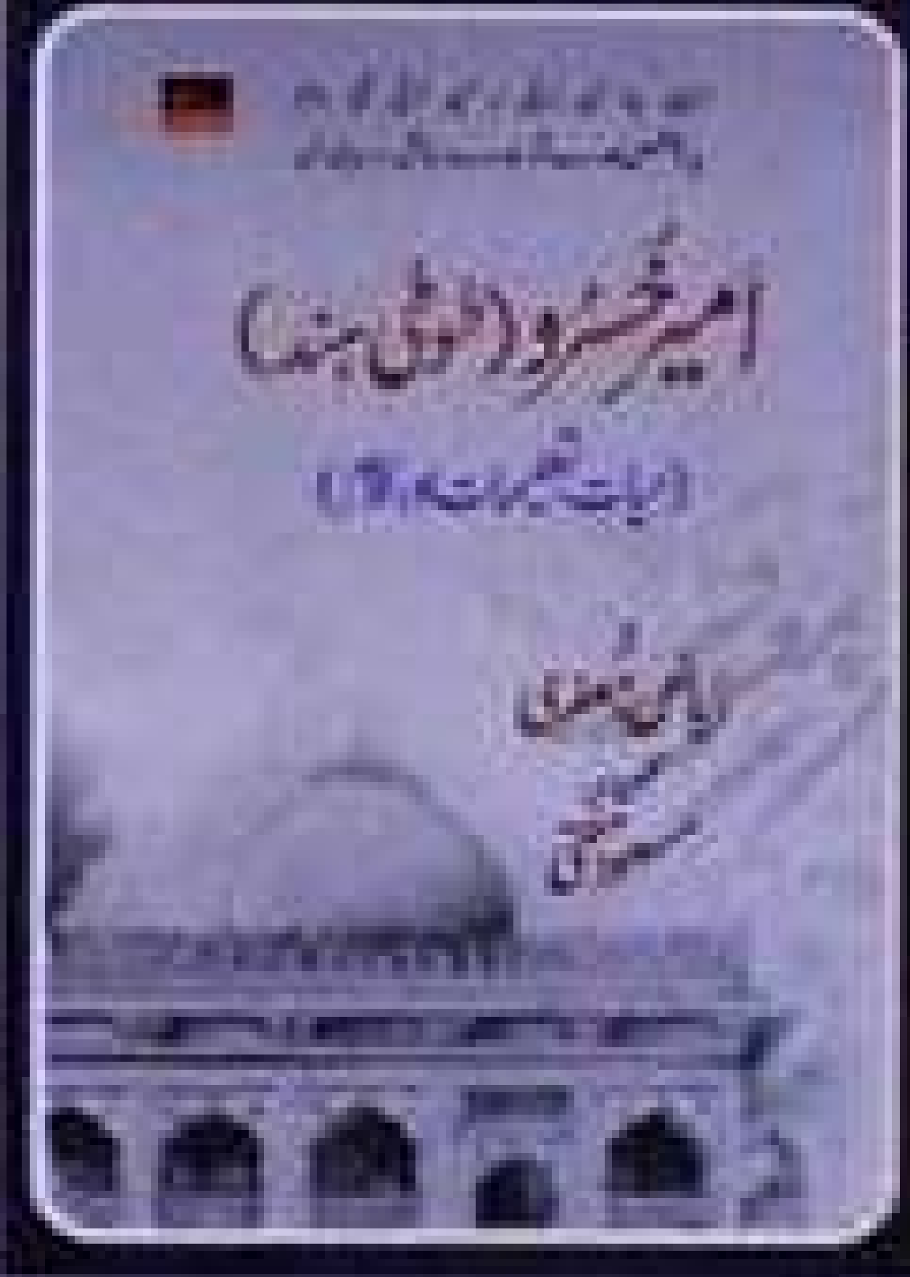

زیر نظر کتاب ''امیر خسرو (طوطی ہند)'' کے عنوان سے ریاض جعفری صاحب کی تصنیف ہے اس کتاب کے مترجم جناب مسعود مفتی صاحب ہیں مصنف نے اس کتاب میں امیر خسرو کی زندگی کے حالات کے ساتھ ان کی تعلیم اور کلام پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

امیر خسرو بارہویں صدی کے ہندستانی برصغیر کی انسانی حقوق کی پہلی آواز تھے وہ پہلے اُردو شاعر تھے ہندستان کے بہت سے حکمرانوں نے خسرو کے ادب کو درسی کتاب کے طور پر اپنایا تھا خسرو نے شاعری اور نثر نگاری کی ۹۹ کتب تحریر کی تھیں اور زیادہ تر تحریر فارسی میں تھیں امیر خسرو نے سر اور تال کی تخلیق انجام دی تھیں اہم آلات ستار اور طبلہ امیر خسرو کی ہی ایجاد ہیں۔

مصنف نے امیر خسرو کی کامیابیوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے انہوں نے ان کی زندگی کا احاطہ کرتے ہوئے آغاز کیا ہے جس میں ان کے ایک خصوصی کردار کی جھلک پیش کی گئی ہے اس کتاب میں امیر خسرو کی فارسی زبان کی شاعری کے علاوہ ہندی اور اُردو زبان کی شاعری کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اس کتاب میں امیر خسرو کے عظیم کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے جس کی وجہ سے انہیں طوطی ہند کا خطاب دیا گیا۔

اریب
پبلیکیشنز
₹160/-
AREEB PUBLICATIONS
1542, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002 (India)
Ph : +91-11-23284740, 23282550 , Email : apd1542@gmail.com